''حسد میں!'' زمر شکل سے انداز میں بولی تھی۔ پھر ایک دم وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ حنین تیز تیز فارس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

آبنوسی لکڑی کے دروازے پہ سجا ''مورچال'' دن کی پھیلتی روشنی میں چمکنے لگا تھا۔

❖❖❖

کچھ اس طرح سے سودا کیا مجھ سے وقت نے ..... تجربہ دے کر وہ میری ساری معصومیت لے گیا

کینڈی کی سرسبز پہاڑیاں دھند میں لپٹی تھیں۔ کافی شاپ کی سیڑھیاں اترتا سعدی یوسف نیچے آرہا تھا۔ سفری بیگ کندھے پہ تھا اور سر پہ پی کیپ تھی۔ سیڑھیوں کے دہانے پر کامنی کھڑی فون پہ بات کر رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو چہرے پہ سختی آ گئی۔ ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

کچن میں بوڑھا روپا سنگھی ایپرن پہنے کھڑا کام کر رہا تھا۔ اس پہ محض ایک نظر ڈالی۔ بولا کچھ نہیں۔ سعدی بے مقصد وہاں کھڑا رہا۔ مونچو بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر سر جھکائے ناشتہ کرنے لگا۔ کافی شاپ کے مکین کافی کے دانوں جیسے سخت اور کڑوے ہو گئے تھے۔

''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے بوڑھے کو اطلاع دی۔ وہ چپ چاپ کام کرتا رہا۔

''تو جاؤ۔ روکا کس نے ہے؟'' وہ درشتی سے کہتی پیچھے سے آئی اور غصے بھری نظروں سے اسے گھورا۔ ''مگر جانے سے پہلے اتنا بتا کر جاؤ کہ اس بندے کا کیا بنا؟''

سعدی چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

''تمہاری وجہ سے ایک غنڈہ میری شاپ پہ آیا۔ میرے بچے کے سر پہ پستول رکھا۔ ہمیں یرغمال بنایا۔ پھر تم اس کے ساتھ باہر گئے۔ وہاں سے تم نے فوڈ اتھارٹی والوں کو کال کیا اور میری شاپ پہ محکمے کے لوگ آ کر سارا کھانا الٹ کے چلے گئے۔ دو دن سے ایک گاہک یہاں داخل نہیں ہوا۔ ہمارے کھانے میں زہریلا مواد نکلا جو تم نے ہی ڈالا ہوگا تاکہ تم بابا سے بدلہ لے سکو۔ اور پھر شام کو تم آ جاتے ہو اور وہ بھی صحیح سلامت۔ اور وہ بندہ اب بھی لاپتہ ہے۔'' بولتے بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔ ''تم مجھ سے سچ بھی بول سکتے تھے مگر تم نے نہیں بولا۔ کم از کم یہ بتا دو اس بندے کے ساتھ تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی لاش پہاڑی سے نیچے پھینک دی۔ میں جتنی مکاری اور چالبازی سے اس جگہ کو اپنا سیف ہاؤس بنانے میں کامیاب ہوا تھا' اس پہ اس نے پانی پھیر دیا تھا۔ اب میں جا رہا ہوں' اور ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے اس ملک سے بھاگ جاؤں گا۔ میں ایک تامل جاسوس ہوں' اور جاسوس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔''

''نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' وہ چلائی تھی۔ سرخ آنکھوں میں بہت سے آنسو لئے۔ سعدی خاموشی سے مڑا۔ مونچو نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بوڑھا چپ چاپ کام کرتا رہا۔ سعدی یوسف بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ سر جھکائے' باہر اسٹریٹ میں چلتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

❖❖❖

نہ گلے رہے نہ گماں رہے نہ گزارشیں ہیں نہ گفتگو ..... وہ نشاطِ وعدہ وصل کیا ہمیں اعتبار بھی اب نہیں

دھند دوپہر تک کافی ہلکی ہو گئی تھی۔ سورج نے چہرہ دکھایا تھا۔ ہاسپٹل کی لابی مکمل طور پہ روشن تھی۔ چمکتے فرش پہ باریک ہیل سے چلتی' سفید لباس پہ سیاہ کوٹ پہنے اور بال ہاف باندھے' زمر یوسف چلی آ رہی تھی۔ کاؤنٹر پہ رک کر اس نے ریشپسنٹ نوجوان کو سلام کیا تو

جبوری آنکھوں میں سادگی سی دکھائی دیتی تھی۔

''ڈاکٹر قاسم نے کہا تھا کہ.....''

''جی میم' آپ کی نئی دوا تیار ہے۔انہوں نے بھجوادی تھی۔'' دراز سے پیکٹ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر قاسم اب کیسے ہیں؟''

''اسی طرح ہیں۔آپ ان کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔انہیں اس شخص کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔سی سی ٹی وی میں اس کی فوٹیج بھی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے وہ بھی ڈیلیٹ کروادی۔'' وہ ناخوش اور فکرمند لگ رہا تھا۔

''کس شخص کو؟'' اس نے اچنبھے سے نوجوان کو دیکھا۔پچھلی دفعہ یہاں کوئی دوسرا لڑکا تھا جس نے اسے ڈاکٹر قاسم کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی تھی۔

''وہ مریض جس نے ان پہ تشدد کیا تھا۔آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟'' وہ اس نوجوان کو گزرے برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ایک دفعہ اس کے پاس ایک کام لے کر بھی آیا تھا جب وہ اے ڈی پی تھی۔تبھی قدرے آگے ہو کر کہنے لگا۔''ایک آدمی مریض بن کر آیا تھا ایک روز۔وہ نکل گیا تو کافی دیر بعد جب میں اندر گیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اگلے مریض کو بلایا نہیں تھا تو دیکھا کہ وہ زمین پہ گرے پڑے ہیں اور زخمی حالت میں ہیں۔''

''کب کی بات ہے یہ؟'' وہ متحیر رہ گئی۔

''ٹھہریں میں آپ کو تاریخ بتاتا ہوں۔اسی تاریخ کی فوٹیج ہم نے مٹائی تھی نا۔'' وہ اس کے دلچسپی لینے پہ ذرا پرجوش سا دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔پھر ایک کاغذ نکالا اور تاریخ پڑھ کر سنائی۔یہ ماہِ کامل کی رات سے اگلے دن کی تاریخ تھی۔زمر کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''اور اس تاریخ کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آنے والے مریض نے ان کو مارا پیٹا؟''

''دراصل وہ مریض نہیں تھا۔رجسٹر میں نام بھی نہیں تھا۔اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے فون پہ بات ہوگئی تھی اور اندر چلا گیا۔جب ڈاکٹر صاحب نے اعتراض نہیں کیا تو میں سمجھا کہ.....''

''کیسا.....کیسا دکھتا تھا شکل میں؟'' بدقت لہجہ متوازن رکھا۔

''فوٹیج تو ہم نے مٹا دی۔شکل اتنی اچھی نہیں یاد مگر لمبا سا تھا۔گرے سا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔چھوٹے کٹے بال تھے' بہت چھوٹے' وہ.....'' وہ یاد کر کے ایک ایک شے بتا رہا تھا اور زمر بار بار خشک لبوں پہ زبان پھیرتی تھی۔

''آپ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس حالت میں پایا؟ آئی ایم سوری مگر آپ کے ساتھ ایک پرانی علیک سلیک ہے اس لیے آپ کو بتا رہی ہوں کہ اگر یہ کہانی آپ نے کسی اور کو سنائی تو سارا الزام آپ کے سر پہ آئے گا۔فوٹیج بھی آپ نے مٹائی' ڈاکٹر صاحب کو اس طرح گرے بھی آپ نے دیکھا اور اس مریض کو جاتے ہوئے بھی آپ ہی نے دیکھا۔عدالت سمجھے گی کہ آپ اپنے جرم کو کور کرنا چاہ رہے ہیں۔ڈاکٹر صاحب بھی اگر اس بندے کو کور کر رہے ہیں تو پولیس کے سامنے اس کا نام نہیں لیں گے' مگر آپ کی غیر حاضریوں سے عشرنالاں رہتے ہیں۔اگر آپ کا نام لے دیا تو؟ میری مانیں تو اس قصے میں نہ پڑیں۔'' ایک ہی سانس میں اسے مفت مشورے سے نوازتی وہ اس کے ہکا بکا چہرے کو نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

پھر وہ کن قدموں سے وہاں سے نکلی' اس کو معلوم نہیں تھا۔اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور رنگت زرد پڑ رہی تھی۔کار میں بیٹھ کر کافی دیر اس نے خود کو گہرے گہرے سانس لے کر ریلیکس کیا۔

''اس نے میرے ڈاکٹر کو مارا پیٹا۔اور اس کے بعد ڈاکٹر نے اچانک سے کڈنی ٹرانسپلانٹ کی بات ختم کر دی' وہ اب مجھے امید

دلانے لگے ہیں کہ نئی دوا سے میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ کچھ غلط ہے اس سب میں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی خود سے بڑبڑائے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

ضبطِ غم اس قدر آسان نہیں فراز ..... آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال میں دوپہر کے وقت سناٹا چھایا تھا۔ حنین ڈائننگ ہال میں بیٹھی' انگلیوں میں وہ کی چین الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیشا سے کوئی بات نہیں کی تھی' نہ اسے کرنی تھی۔ مگر.... وہ سوچنے لگی.... یہ کی چین علیشا کیوں مانگ رہی ہے واپس؟ اس میں کیا بات ہے ایسی؟ Anst Ever After۔ کیا یہ کسی قسم کا کوڈ ہے؟ کچھ تو ہے۔

شہر کے دوسرے حصے میں واقع ایک ریسٹورانٹ کے اندر دوپہر کی روشنی بھری تھی۔ فارس غازی کونے والی میز پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو سینے پہ لپیٹے' منتظر نظر آ رہا تھا۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر سنہری آنکھیں دروازے پہ مرکوز کر دیتا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ جیسے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اور اس انتظار کی گھڑی میں یونہی ذہن کی رو بھٹکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکو تو ان میں یادوں کے اوراق کھلتے نظر آ رہے تھے.....

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ آفس میں بیٹھا تھا' اور سر جھکائے فائل میں لگے کاغذ باری باری نکال رہا تھا جب سامنے کوئی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔ فارس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ وارث تھا' اور اب مسکرا کر اس سے خیریت پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟'' بے نیازی سے کندھے جھٹکتے فارس نے فائل بند کر کے پرے ڈالی۔

''تھوڑی مزید چھٹی لے لیتے۔ شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے۔ کچھ دن اور لگا لیتے نارورن ایریاز میں۔''

''نہیں' بہت چھٹی ہو گئی پہلے ہی۔ اب کام پہ واپس آنا ہی تھا۔'' وہ بہت تازہ دم نہیں لگ رہا تھا۔ چائے آنے کے بعد وارث نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

''تم خوش ہو زرتاشہ کے ساتھ؟''

''ہاں۔'' وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھے' اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ ''اچھی ہے۔ شکایتیں زیادہ کرتی ہے' ذرا ہیجگانہ بھی ہے' مگر اتنی چالاک نہیں ہے۔''

''اس کو موازنے اور مقابلے کے پیمانے سے ہٹا دو فارس۔''

فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''میں اس کا موازنہ کسی سے نہیں کرتا۔'' پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''اگر تم اور ندرت آپا بار بار مجھے وہ باتیں یاد نہ دلاؤ تو مجھے وہ یاد بھی نہیں آتی۔''

''او کے آئی ایم سوری۔'' وارث نے متانت سے کہتے کپ میز پہ رکھا۔ ''مجھے لگتا تھا کہ تم گلٹی ہو کہ....''

''میں گلٹی نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ زرتاشہ سے اتنی محبت کروں جتنا اس کا حق ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ.... یہ میں نہیں کر پا رہا ابھی۔''

''فارس میاں بیوی کو ایک دوسرے سے لازمی محبت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے درمیان مودت اور مرحمت ہونی چاہیے۔ مودت کہتے ہیں الفت کو' اٹیچ ہونے کو' دوستی ہو جانے کو۔ اور مرحمت ہوتی ہے ایک دوسرے سے ہمدردی' compassion' خیال رکھنا' احساس کرنا دوسرے کا۔ محبت ضروری نہیں ہوتی۔ اور جانتے ہو' بیوی اپنے شوہر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تم اس کو کہو وہ خوبصورت ہے' وہ ہر روز نکھرتی جائے گی' اسے کہو وہ خدمت گزار ہے' وہ مزید خدمت کرے گی' اس کو سراہو گے تو اس کا اعتماد بڑھے گا' لیکن اگر ہر وقت اس کے اندر

نقص نکالو گے تو اس کو کھوکھلا کر دو گے' وہ ٹیڑھی پسلی سے نکلی ہے' اس کو سیدھا کرنے کی کوشش میں تم اسے توڑ دو گے۔ اس لئے اس کے ساتھ دوستی اور رحم کا رشتہ رکھو۔ میں چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ خوش رہو' اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ خوش رہے۔ کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' الفاظ وارث کے لبوں سے نکل کر ہوا میں ٹھہرتے گئے۔ کہتے ہیں تمام الفاظ فضا میں معلق ہو جاتے ہیں' ازل سے ابد تک کے لئے ٹھہر جاتے ہیں' اسی لئے ہم جب چاہیں انہیں یاد کر لیتے ہیں.... محسوس کر لیتے ہیں.... وہ الفاظ کی اس بازگشت سے تب نکلا جب سامنے والی کرسی کھینچی گئی۔ فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور فوراً کھڑا ہو گیا۔

''سارہ!'' احتراماً سر کو خم دیا۔ سارہ ملائمت سے مسکراتی سامنے بیٹھی۔

''خیریت تھی نا فارس؟ تم نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے بلوایا۔''

''کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' وہ کہتے ہوئے واپس بیٹھا۔ سارہ نے اپنی سبز آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بال جوڑے میں باندھے' ہاتھ میں فولڈر اور پرس اٹھائے ہوئے تھی۔ آفس سے لنچ بریک میں آئی تھی۔ وہ پہلے اس سے بچیوں کا حال پوچھنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد بولا۔

''دو آپشن ہیں آپ کے پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ ''یا تو آپ انگلینڈ چلی جائیں' کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو جائیں' میں ہر چیز ارینج کروا دوں گا۔ یا پھر آپ اگر گواہی دینا چاہیں تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔''

''گواہی؟'' سارہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔ رنگت سفید پڑی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''سعدی مل گیا ہے سارہ۔ اور جب وہ واپس آئے گا تو وہ عدالت میں جائے گا۔ آپ سعدی کے ساتھ تھیں اس رات' میں جانتا ہوں' عدالت آپ کو بلائے گی.... واپس بیٹھ جائیں۔'' آخری الفاظ سختی سے کہے اور وہ جو اٹھنے لگی تھی' بے بسی اور غصے سے اسے دیکھتی واپس بیٹھی۔ ''تو آپ گواہی دیں یا نہیں' فیصلہ آپ نے کرنا ہے' لیکن میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ زمرا اور سعدی چاہیں گے کہ آپ عدالت میں پیش ہوں' مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ اگر آپ نہیں پیش ہونا چاہتیں تو ان کے علم میں لائے بغیر میں آپ کو یہاں سے بھجوا دوں گا کسی محفوظ مقام کی طرف۔ فیصلہ آپ کا ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر واپس ٹیک لگا کر بیٹھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی' بولی کچھ نہیں۔ کتنے ہی پل خاموشی سے بیت گئے۔ پھر وہ ذرا نرمی سے بولا۔

''ابھی کسی کو آپ کا نہیں پتہ' اس لئے ابھی تک فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کرنل خاور کو پتہ ہے۔'' اس کے لب پھڑپھڑائے۔ فارس کا اطمینان غائب ہوا' ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''کیا؟ وہ کب ملا آپ کو؟''

''سعدی کے اس.... اس حادثے کے تین دن بعد.... میں رات کو اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب....'' وہ نظریں جھکائے' ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔

رات کے اس پہر.... کمرہ تاریک تھا۔ سوائے مدھم نائٹ بلب کی زمرد روشنی کے' جو منظر کو دیکھنے قابل بنا رہی تھی۔ بیڈ پہ سارہ لحاف تانے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان واضح نظر آتے تھے۔ دائیں بائیں امل اور نور بے خبر سو رہی تھیں۔ تبھی کوئی کھٹکا سا ہوا۔ سارہ کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ لاؤنج سے کسی شے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلی' پیروں میں سلیپرز ڈالے اور باہر آئی۔

''امی؟'' محتاط انداز میں پکارتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو دیکھا' سامنے ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا ہے۔ سارہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا' مگر اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ اٹھاتی' کسی نے گردن سے دبوچ کر اسے دیوار سے لگایا اور منہ پہ سختی سے

ہاتھ جما دیا۔ ساری چیخیں اس کے حلق میں دم توڑ گئیں۔

ٹی وی کی روشنی کے باعث' وہ خوفزدہ آنکھوں سے اتنا تو دیکھ سکتی تھی کہ پستول کی نال اس کی گردن پہ رکھنے والا کرنل خاور ہے۔

''آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ سارہ نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں ہاتھ دیوار پہ جمائے' وہ کانپنے لگی تھی۔

''تم سعدی کے ساتھ تھیں' تم نے سب دیکھا ہے' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' کیونکہ وہ کہے گا تمہیں مار دوں' لیکن اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں تمہاری بچیوں کو غائب کرا دوں گا۔ سن رہی ہو یا نہیں؟'' سارہ جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگی۔ آنسو آنکھوں سے ابل ابل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے....

''وہ دس منٹ کھڑا رہا' مجھے ڈراتا رہا' دھمکاتا رہا اور میں ڈر گئی۔ اس کی آمد کے بارے میں نے امی تک کو نہیں بتایا۔''

''مجھے تو بتا دیتیں سارہ۔ میں تو تھا نا آپ کے پاس۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔ سارہ نفی میں سر ہلاتی پرس اٹھاتے ہوئے اٹھی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے فارس۔ مجھے جو بھی فیصلہ کرنا ہے' خود کرنا ہے۔'' وہ اس سے اپنی بھیگی نظریں ملائے بغیر چلی گئی اور وہ لب بھینچے بیٹھا' اسے جاتے دیکھتا رہا۔

.....❖❖❖.....

کبھی گریباں کے تار گنتے' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے ..... گزر گئی زندگی ہماری..... سدا یہی امتحان دیتے

فوڈ لی ایور آفٹر کے بالائی ہال کا دروازہ فارس نے دھکیلا تو روشن سے ہال میں زمر سر جھکائے میز پہ جھکی کچھ لکھتی نظر آئی۔ آہٹ کے باوجود سر نہیں اٹھایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ زمر نے آنکھیں اٹھائیں تو ان میں اندر تک اترنے والی چبھن تھی۔

''اسی جگہ بیٹھ کر تم نے کہا تھا کہ اب مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔'' اس کے الفاظ اتنا صدمہ لئے ہوئے تھے کہ فارس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ چونک کر (ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتا) سیدھا ہوا۔ ''کیا ہوا؟''

زمر قلم پرے رکھ کر پیچھے کو ہوئی۔ ''کتنے مان سے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں کتنا غلط سمجھتی رہی مگر تم فارس.... تم کبھی نہیں بدلو گے۔''

''اب کیا کیا ہے میں نے؟'' اس کی تیوری چڑھی۔

''تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم صرف کسی سے ملنے گئے تھے اور وہاں جا کر تم نے مار مار کر اس کا حشر برا کر ڈالا۔ یاد ہے کس کی بات کر رہی ہوں یا میں یاد کرواؤں؟'' وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تو فارس نے گہری سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن زمر بی بی' مار پیٹ کے بھی مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک مار ایسی ہوتی ہے جس میں درد ہوتا ہے مگر زخم نہیں بنتا اور ایسے ہی مارا تھا میں نے اسے' ورنہ مار مار کر اپاہج کیسے کیا جاتا ہے یا جان کیسے لی جاتی ہے' معلوم ہے مجھے۔'' وہ سرد مہری سے خفا خفا سا کہہ رہا تھا۔ ''دو ہاتھ لگا دینے سے اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ ہاں جو منہ پہ اسے مارا' اس کے لئے معذرت کر لی تھی میں نے۔ اب کیا پاؤں پڑتا؟ اور سعدی کو دیکھو۔ دو دن صبر نہیں ہوا۔ پیاری پھپھو کو کال کر کے سب بتا دیا۔ اور کون سی شکایتیں لگائی ہیں میری؟'' وہ برہم تھا اور خفا بھی۔ (اس لیے تو اسے نہیں دیا تھا زمر کا پرائیوٹ نمبر کہ وہ اس کی شکایتیں لگاتا پھرے!)

زمر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اسے چند لمحے لگے یہ سمجھنے میں کہ وہ دونوں دو مختلف لوگوں کی بات کر رہے تھے' اور جب اس نے فارس کے الفاظ کو از سرِ نو سوچا تو.....

''تم نے سعدی کو مارا؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح غراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو اور کیا پیار کرتا؟ جتنا خوار اس نے مجھے کیا' اس کے بعد وہ ہاتھ نہ جڑ تا تو وہ اب بھی واپس نہ آتا۔''

''تم نے سعدی کو.... مارا؟'' وہ بے یقین تھی۔ کون ڈاکٹر' کیا ڈاکٹرا سے سب بھول گیا تھا۔

''میرا خیال ہے آپ سوگ مناتی رہیں' جب تک میں کچھ کام کرلوں۔'' تلخی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زمرا بھی تک شل کھڑی تھی۔ وہ غصے میں بھی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتی' وہ باہر نکل گیا تھا دروازہ زوردار آواز سے بند کر کے۔

وہ بے دم سی واپس کرسی پہ گری۔ سعدی..... ڈاکٹر قاسم..... فارس غازی کے بارے میں اسے سچ نہ ہی پتہ چلا کرے تو زیادہ بہتر تھا۔ اسکا دماغ سخت الجھ گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

ہمارے لفظوں سے نطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ ..... سخن ورو! ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زباں دیتے

ہوٹل کا ڈائننگ ہال برقی قمقموں اور جھلملاتے فانوس سے روشن تھا۔ آبدار عبید نے اس وسیع و عریض ڈائننگ ایریا کی دہلیز پہ رک کر موبائل کی اسکرین روشن کی' اور پھر میسج لکھا۔ ''میں واپس آگئی ہوں' فارس۔ کیا ہم مل سکتے ہیں اب؟'' اور بھیج دیا۔ وہ سر پہ سرخ رومال کشمیری لڑکیوں کے انداز میں باندھ کر پیچھے کو ڈالے' سفید منی کوٹ پہنے' لیڈیز ٹو پیس سوٹ میں ملبوس تھی۔ پاؤں میں اونچی سلور ہیل تھی' اور کہنی پہ اٹکا ڈیزائنر بیگ جو سورج مکھی کے پھول جیسا زرد تھا۔

دور سے اس نے ہاشم کو دیکھ لیا تھا سو نزاکت سے قدم قدم چلتی وہ آگے آئی۔ وہ دیوار کے ساتھ ایک میز پہ موجود تھا۔ ٹو پیس سیاہ سوٹ' اوپری جیب سے جھلکتا سفید کارڈ' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا' اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔ آبی کو آتے اس نے دیکھ لیا تھا تبھی آنکھوں میں نرم سا تاثر ابھرا' اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

آبدار اس کے سامنے آرکی۔ ہاشم آگے بڑھا' اس کے لئے کرسی کھینچی' پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھا۔

''ہیلو گریم ریپر!'' وہ مسکرا کر بیٹھی اور بیگ میز پہ رکھا۔

''ہیلو ریڈ!''

''میں کھانا کھانے نہیں آئی' تیمارداری کرنے آئی ہوں۔ تمہاری تیمارداریاں نہیں بھولتی میں۔ کیسے ہو؟'' وہ محفوظ انداز میں بولی تھی۔

وہ ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکتے' ویٹر کو بلانے لگا۔ کھانا آنے تک وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ مؤدب بیرے دائیں بائیں سے آ کر میز پہ اشیائے طعام سجاتے گئے۔ گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی موم بتی کا شعلہ بھی روشن تھا۔ آبدار چہرے پہ مدھم مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی' البتہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ مزید بے چین ہوتی جارہی تھی۔

''آج کل میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا ہوں۔'' وہ آگے کو ہو کر بیٹھا' نگاہیں کبھی موم بتی پہ جھکاتا' کبھی اٹھا کر اسے دیکھ کر بولتا۔

''فارس کے بارے میں (آبدار کی رنگت فق ہوئی' اس نے پہلو بدلا) مجھے لگتا ہے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ جیسے وہ سعدی کے بارے میں سب جانتا ہے' جیسے سب لوگ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔'' وہ دھیمے یاسیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''جب میں موو آن کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو یہ باتیں میرے لئے بے معنی ہیں۔''

''یہ صرف تمہارا وہم ہے ہاشم!'' وہ مضطرب سی بولی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھ کانپے تھے۔

''سچ بھی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ دشمنیاں' یہ سیاستیں' یہ سب پیچھے چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' وہ واقعی

تکان سے کہہ رہا تھا۔ ''کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں.... کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتی ہو۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔ نگاہیں آبی پہ جمی تھیں۔ ''تم جانتی ہو کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں تم نہ ہو۔ کہتے ہیں جب کوئی کسی کی جان بچاتا ہے تو اس کی زندگی اس مسیحا کی امانت بن جاتی ہے' تمہاری زندگی جتنی تمہاری ہے اتنی میری بھی ہے۔''

پسِ منظر میں بجتی دھیمے سروں کی موسیقی.... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ.... خوابناک زرد روشنیاں.... ہر شے سے بے نیاز وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''آئی.... ایم.... اِن لو.... وو.... یو۔'' اس نے یہ الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے تھے۔ آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ ہنوز جمی تھیں۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی ایک ساتھ گزاریں۔ کسی دوسرے ملک چلے جائیں' جہاں تم کہو۔ اور ایک نئی دنیا بنائیں۔ اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ؟ مگر موسمِ گرما سے زیادہ تاخیر میں نہیں کر سکتا۔''

چند لمحوں کی بوجھل خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہوئی۔ آبدار ذرا آگے کو ہوئی' خشک لب گیلے کر کے آپس میں مس کیے۔ ''ہاشم' میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں' اور تمہیں بہت پسند کرتی ہوں' تم نے میری جان بچائی تھی' مگر یہ سوال.... یہ پروپوزل.... یہ بہت غیر متوقع ہے میرے لئے۔''

''مجھے کوئی جلدی نہیں' ریڈ۔ تم سوچ لو۔'' وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں پل بھر کے لئے بھی آبی کی آنکھوں سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ ''سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو' کچھ دن لے لو....''

''ہاشم....'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''میں نے سوچ لیا ہے۔ میں تمہاری بہت اچھی دوست ہوں' اور دوست ہی رہنا چاہتی ہوں' مگر یہ سب.... شادی.... رشتہ.... نئی زندگی.... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں....''

''آبدار!'' آنکھیں اس کی آنکھوں پہ مرکوز کیے' اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہتے نرمی سے آبی کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ آبدار کا ہاتھ جتنا گرم تھا' اتنا اس کا ٹھنڈا تھا۔ ''میں نے کہا نا' تم سوچ لو' کچھ دن لے لو' آرام سے فیصلہ کرو.... اور پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ.... ہوں!'' اور ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے لہجے کی ٹھنڈ آبی کے اندر تک سرایت کرتی اس کے خون کو جما گئی۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ وہ اب نیپکین کھولتا اس سے ہارون کا حال پوچھ رہا تھا۔ آبدار کی ساری بھوک مر گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

مرا یہ خون مرے دشمنوں کے سر ہو گا ..... میں دوستوں کی حراست میں مارا جاؤں گا

صبح کے اس پہر ائیر پورٹ کی ساری بتیاں دور سے جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اندر لوگوں کا بے نیاز ہجوم اپنی اپنی سمت میں گامزن تھا۔ ایک کاؤنٹر کے سامنے ٹوپی' اور بڑھی شیو والا لڑکا کھڑا تھا جس کی آنکھوں پہ چشمہ لگا تھا۔ سامنے بیٹھا آفیسر اس سے معمول کے سوالات پوچھنے کے بعد استفسار کر رہا تھا۔ ''سو آپ افغانستان سے آ رہے ہیں؟''

''جی' میں سری لنکا سے افغانستان گیا تھا' چند گھنٹے وہاں قیام کیا' ایک دو دوستوں سے ملا اور پھر یہاں آ گیا۔'' اس نے رٹا رٹا بیان دہرایا۔

''حیدر ہمایوں خان۔ ویلکم ٹو پاکستان۔'' اس نے پاسپورٹ پہ مہر لگاتے ہوئے کہا۔ عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔

کچھ دیر بعد وہ کندھے پہ بیگ اٹھائے' قدم قدم چلتا ائیر پورٹ کے احاطے سے باہر آ رہا تھا۔ جیکٹ کی زپ بند کر لی تھی اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لئے تھے۔

شہر ویسا ہی تھا' ویسی ہی ٹھنڈ' ویسے ہی لوگ۔ سعدی نے چلتے چلتے چہرہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ تارے تھوڑے بہت دکھائی دیتے تھے' ماحولیاتی آلودگی کی دبیز تہہ نے ستاروں کو بڑے شہروں کے آسمان سے عرصے ہوا چرا لیا تھا۔ مگر چلو.... آسمان تو اپنا ہی تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔

چند گھنٹوں کا یہ سفر بے حد اذیت ناک تھا۔ ہدایت کے مطابق وہ ڈائیریکٹ آنے کی بجائے لمبا روٹ لے کر آیا تھا۔ ہر پل اسے لگتا تھا کہ وہ پکڑا جائے گا' مار دیا جائے گا.... مگر پاسپورٹ گورنمنٹ ایشوڈ تھا' نقلی نہیں تھا' سو سفر آرام سے طے ہو گیا۔ اور اب پاک سرزمین اس کے قدموں میں بچھ چکی تھی۔ فارس نے فون کر کے اسے چند دن کی مہلت دی تھی اور گو کہ وہ ابھی کچھ دن مزید تنہائی میں اپنا دماغ ''خالی'' کرنا چاہتا تھا' لیکن اب وہ مزید نہیں بھاگ سکتا تھا۔ چیونٹی کو اپنے گھر واپس جانا ہی تھا۔

ٹیکسیاں اس کے قریب آ کر رکتیں' ہارن دیتیں' سوال کرتیں' مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔ دفعتاً سڑک کنارے ایک کوڑا دان کے ساتھ ٹھہرا' جیب سے پاسپورٹ نکالا اور اس کے چار ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا کوڑا دان میں پھینکا اور پھر آگے چلتا گیا۔ دو ٹکڑے سڑک کنارے مروڑ کر اچھال دیے اور آخری ٹکڑا چند کوس دور ایک دوسرے کوڑا دان میں ڈال دیا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

چند لمحے گزرے.... اور اس پہلے کوڑا دان کے ساتھ ایک شخص آ کر رکا۔ رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ اتنا واضح نہ تھا۔ کوٹ کے کالر اس نے کھڑے کر رکھے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا' کانوں کے گرد مفلر.... اس نے جھک کر کوڑا دان میں ہاتھ ڈالا' پاسپورٹ نکال کر ایک پلاسٹک پیکٹ میں ڈالا۔ پھر آگے بڑھا۔ سڑک کنارے لگی باڑ پھلانگی۔ اس طرف سے مڑے تڑے دونوں ٹکڑے اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالے۔ پھر واپس سڑک تک آیا۔ سامنے سعدی یوسف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا اور جس لمحے سعدی نے آخری ٹکڑا ایک کوڑے دان میں اچھالا' وہ شخص ٹھہر گیا' یہاں تک کہ سعدی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب وہ دبے قدموں آگے آیا' یہ ٹکڑا بھی اٹھایا اور اپنی زنبیل میں ڈالا۔

''یہ پاسپورٹ ذرا سی گوند سے واپس جوڑ کر عدالت میں سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لیے کافی ہے۔'' اس نے پلاسٹک کی زنبیل کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے خود سے کہا۔ چند لمحوں بعد سرخ مفلر سے منہ ڈھانپے' شخص دوسری سمت جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

❖❖❖

ان سے کہو ہم طوفانوں سے ڈرنے والے لوگ نہیں ..... قاتل کو مرتے دم تک قاتل ہی بولا جائے گا

جمعے کی دوپہر اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے خوبصورت بنگلے قطار میں کھڑے دھوپ نرم گرم سینکتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کے برآمدے کے دروازے پہ مورچال کی تختی نصب تھی۔ اندر جاؤ تو لاؤنج میں گہما گہمی تھی۔ آج جمعہ تھا اور جمعہ ویسے بھی پاکستان کی ساری ندرت بہنوں کا یومِ بریانی ہوتا ہے سو اس وقت کچن میں رونق لگی تھی۔ ندرت ایک طرف سیم کو برتن لگانے کا کہہ رہی تھیں' تو دوسری طرف رائتہ پھینٹتی حنین کو تیز ہاتھ چلانے کا۔ زمر کھڑی سلاد کاٹ رہی تھی۔ فارس لاؤنج میں بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا' اور بڑے ابا ٹی وی پہ خبریں دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں ڈور بیل بجی۔ ایک دفعہ ذرا سی گھنٹی۔ باوقار انداز۔

دہی پھینٹتی حنہ کے ہاتھ تھمے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ جمعہ.... بریانی.... ساری فیملی کا اکٹھا ہونا اور پھر ڈور بیل.... کس کی کمی تھی؟ کس نے آنا تھا؟ حنین کے سارے وجود میں خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک دم سب چھوڑ کر بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ فارس

دروازہ کھولنے اٹھ گیا تھا مگر وہ تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

''پلیز مجھے کھولنے دیں۔'' اس کی آنکھیں نم تھیں۔ فرطِ جذبات سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ فارس مسکرا کر رک گیا۔ ''اس نے آج ہی آنا تھا۔'' حنین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ پورچ کا دروازہ کھولا اور پھر گیٹ کی طرف لپکی۔ کوئی گیٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ حنہ نے دھڑکتے دل اور مسکراتے چہرے کے ساتھ گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور.....

حنین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ساری دنیا ہی منجمد ہوگئی گویا برف کا اجڑا ویران صحرا بن گئی ہو۔

''ہیلو حنین!'' باہر کھڑے ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ تھری پیس گہرے سیاہ سوٹ میں ملبوس' وجیہہ چہرے والا ہاشم وہاں تنہا تھا۔ حنین کی نظریں اس کے عقب میں دوڑیں۔ پیچھے اس کی کار کھڑی تھی اور باہر چند گارڈ۔ حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ ''ہاشم بھائی' آیئے۔''

''تم اب مجھے ٹیکسٹ نہیں کرتی۔ کوئی ناراضی ہے کیا؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اندر داخل ہوا۔ وہ ملے جلے جذبات میں گھری اس کے ساتھ چلتی آئی۔

''اب مصروف ہوتی ہوں بہت۔ آپ اس دنیا میں موجود ہیں' یہ تک بھول جاتا ہے۔'' برآمدے کے اسٹیپس چڑھتے ہوئے ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میری موجودگی کسی کو نہیں بھولتی۔'' پھر اسٹیپ پہ چڑھا۔ آگے بند دروازہ تھا' اور اس پہ نصب تختی۔

''مورچال؟'' اس نے زیرِ لب پڑھا۔

''چیونٹی کا گھر!'' حنین بولی۔ ہاشم نے انگلی سے تختی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ڈھیلی ہے' مضبوطی سے جمی نہیں ہوئی' ذرا سی ٹھوکر سے گر جائے گی۔ اندر بتا دو میں آیا ہوں۔'' شائستگی سے کہتا وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔ حنین تیزی سے اندر آئی۔ (دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔)

''ہاشم.... ہاشم بھائی آئے ہیں۔'' لاؤنج میں پہنچ کر اس نے پھولے سانس کے ساتھ اطلاع دی۔ لمحے بھر میں تمام حرکات رک گئیں' آوازیں بند ہوگئیں۔ زمر اور ندرت کچن سے نکل آئیں۔ ابا' فارس اسے دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے زمر کو ہوش آیا۔

''ٹھیک ہے' وہ ہمارا مہمان ہے۔ فارس' تم اسے اندر لاؤ' ڈائننگ ہال میں۔ ہم کھانا لگاتے ہیں۔'' وہ تیز تیز ہدایات دیتے ہوئے بولی۔

''حنہ' سیم' بھابھی' ابا' سب سن لیں' کوئی کچھ ظاہر نہیں کرے گا۔ پہلے کی طرح نارمل رہیں گے سب۔ اوکے؟'' آنکھیں دکھا کر سختی سے وارن کیا۔ سب متفق تھے۔ فارس منہ میں کچھ چباتا بے نیازی سے اٹھا (گویا کچھ سنا ہی نہ ہو) اور باہر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد تمام گھر والے طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسیاں سنبھال رہے تھے جب فارس ہاشم کو لئے چلتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ہاشم مسکرا کر سب سے ملا۔ حال احوال دریافت کرتے ہوئے کرسی کھینچی۔ ابا کی سربراہی کرسی کے بائیں طرف۔ اس کے مقابل فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کے برعکس وہ رف سے سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ کرسی کھینچتے ہوئے بھی موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں غلط وقت پہ آ گیا شاید۔'' وہ سب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سب خاموش رہے۔ ندرت اس کو دیکھنا نہیں چاہتی تھیں' سو برتن درست کرتی رہیں۔ حنین سر جھکائے نیپکین جوڑتی رہی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی۔ ابا کے تاثرات بھی تنے ہوئے تھے۔

''نہیں' ایسا کس نے کہا؟'' فارس نے کندھے اچکائے اور بریانی کی بھاپ اڑاتی اشتہا انگیز مہک والی ڈش اٹھا کر سامنے رکھی۔ وہ چہرے سے سنجیدہ اور قدرے بے نیاز لگتا تھا۔

''بہت دن سے آنا چاہ رہا تھا.... آج ہی وقت نکال پایا۔'' ہاشم چمچ کانٹا سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔ ''آپ لوگ ٹینس لگ رہے ہیں۔ خیریت ہے؟'' زمر کا دل زور کا دھڑکا۔ جلدی سے مسکرا کر کہنے لگی۔ ''نہیں۔ دراصل آپ کی طبیعت کا سنا تھا تو....'' مگر فارس اس

سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''ٹینس کوئی نہیں ہے۔بس سب کو علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری بیوی اور بھائی کو مارا تھا' اور آف کورس سعدی کو بھی زخمی' اغوا' واٹ ایور' وہ سب کروایا تھا۔رائٹ؟'' کہتے ہوئے اس نے رائٹنگ کا ڈونگا ہاشم کے سامنے رکھا۔سب ایک دم بے یقینی سے فارس کو دیکھنے لگے۔زمر تو بالکل شل رہ گئی۔

صرف ایک شخص نے جیسے کوئی اثر ہی نہیں لیا اور وہ ہاشم تھا۔اس کا چہرہ ویسے ہی مسکراتا رہا اور نظریں فارس پہ جمی رہیں۔پھر اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

''ظاہر ہے۔'' اور چاول پلیٹ میں نکالے' ذرا سا رائتہ اوپر ڈالا۔سب کے سانس رکے ہوئے تھے۔پھر ہاشم نے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مغموم سا تاثر تھا۔آنکھوں میں سادگی تھی۔

''میں جانتا ہوں میں نے اچھا نہیں کیا۔'' آواز میں افسوس تھا۔

''سب جانتے ہیں۔'' فارس نے اسی بے نیازی سے کندھے اچکائے' موبائل ایک طرف دھرا اور اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

''انسان بہت سے کام کرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئیں۔میں نے بھی غلطیاں کی ہیں' گناہ کیے ہیں۔وارث کو....'' رک کر سلاد کے باؤل سے چند کھیرے اپنے پلیٹر میں نکالے۔''میں نہیں مارنا چاہتا تھا' مگر خاور مجبور ہو گیا تھا۔آئی ایم سوری فار دیٹ۔'' چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا' چند لمحے چبایا' پھر ندرت کو دیکھا جو اسے گلابی پڑتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔''آپ واقعی بہترین شیف ہیں۔خیر۔'' فارس کی طرف نظریں پھیریں''پورز رتاشہ....وہ کولیٹرل ڈیمج بن گئی' اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں' اور مسز زمر کے لئے مجھے واقعی افسوس ہے....''

زمر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔

فارس نے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے کندھے جھٹکے۔''یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔!''

''رہا سعدی تو مجھے اس پہ حملے کا علم نہیں تھا' ہاں جب پتہ چلا تو میں نے اس کو محفوظ جگہ بھجوا دیا' اس کا خیال رکھا' وہ بھی اتنا ہی ناراض ہے جتنا کہ آپ لوگ مگر یہ آپ سب کا حق ہے۔وہ بہت جلد واپس آ جائے گا اور پھر ظاہر ہے وہ میرے خلاف کورٹ میں جانا چاہے گا۔''

''حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا' ابھی جب میں کینڈی میں اس سے ملا تھا۔'' فارس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے نظریں اٹھا کر ہاشم کو دیکھتے بتایا۔''مگر وہ اپنی بات پہ اڑا ہوا تھا' سو میرا خیال ہے' ہاں' وہ کورٹ جائے گا۔''

''اس کا حق ہے!'' ہاشم نے گہری سانس لی۔وہ دونوں یوں گفتگو کر رہے تھے جیسے دوسرا کوئی وہاں موجود ہی نہ ہو۔''مگر میں اپنے کسی گناہ کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔آپ مجھے کورٹ میں لے جانا چاہیں' لے جائیں' میں سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار ہوں' لیکن.....'' اس نے رکتے رکتے ایک اور چمچ منہ میں رکھا اور چبایا۔سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔''اس سے ہم دونوں خاندانوں کا نقصان ہی نقصان ہو گا۔آپ اچھے لوگ ہیں۔میں بھی اب پہلے والے آدمی جیسا نہیں رہا' خود کو بدل رہا ہوں' موو آن کر رہا ہوں' میں چاہوں گا کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں' میں نے اپنے کیے کی بہت سزا بھگت لی ہے۔ساری زندگی بھگتوں گا' مگر انتقام اور انصاف کی نئی جنگ لڑنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔آپ لوگوں نے میری وجہ سے بہت سفر (suffer) کیا ہے' میں نہیں چاہتا کہ آپ مزید دکھ اٹھائیں۔'' پلیٹ پرے کھسکائی تو فارس نے شرارت سے کہا۔''اور لو نا۔''

''نہیں تھینکس' میں ڈائٹ پہ ہوں۔بہر حال' میں ایک دفعہ پھر معذرت کرتا ہوں کیونکہ میں نے اسی لئے سعدی یوسف فاؤنڈیشن بنائی ہے' تاکہ مزید کسی خاندان کو اس سب سے نہ گزرنا پڑے۔آگے آپ لوگ جو بھی کرنا چاہیں' آپ کی مرضی۔'' نیپکین اٹھا کر ہاتھ صاف کیے۔''میری طرف سے آپ آزاد ہیں' معاف کریں یا سزا دیں۔میں پرانی باتوں اور حسابوں میں اب نہیں پڑنا چاہتا۔میں ہر سزا کے لئے تیار

ہوں۔ کیونکہ میں اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ تھینک یو۔''

''شیور۔ ویلکم!'' ہاشم کھڑا ہوا تو فارس بھی کھڑا ہوا۔ ہاشم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ''مجھے کام ہیں کچھ' اب چلتا ہوں۔''

فارس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سر کو خم دیا۔ ''میں سعدی کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا ہاشم' مگر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔''

ہاشم الوداعی کلمات کہہ کر مڑ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

بریانی ٹھنڈی ہو گئی تھی اور جذبات گرم ابل رہے تھے۔ ڈائننگ ہال میں سانپ سونگھا ہوا تھا۔ سب شل تھے۔ ندرت بدقت بول پائیں۔

''وہ اپنے کیے پہ شرمندہ ہے!''

''تم نے.... اسے کیوں بتایا؟'' زمر نے ہکلاتے ہوئے فارس کی طرف رخ پھیرا۔ وہ بے یقین تھی۔

''وہ ادریس اور میرے بارے میں پتہ کروا رہا تھا' اس کو شک تھا' میں نے کنفرم کر دیا۔'' وہ اسی رغبت سے چاول کھا رہا تھا۔

''انہوں نے ہم سے معافی مانگی۔'' حنہ بھی بے یقین تھی' متحیر تھی۔

''پتہ نہیں۔'' ابا تلخی سے بولے۔ یکدم باہر کسی شے کے گرنے کی آواز آئی۔ حنہ ایک دم اٹھ کر باہر بھاگی۔

دروازہ کھلا تھا اور پورچ کے ماربل کے فرش پہ دروازے کی تختی گری پڑی تھی۔ وہ اتنی زور سے دے ماری گئی تھی کہ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی تھی۔ بند گیٹ کے باہر گاڑیوں کے زن سے گزر جانے کی آواز سنائی دی تھی۔

''مجھے.... سمجھ نہیں آ رہی وہ معافی کیوں مانگ رہا تھا' اور تم اس سے یہ کس طرح بات کر رہے تھے؟'' اندر زمر ہنوز گومگو سی بول رہی تھی۔

''وہ معافی نہیں مانگ رہا تھا زمر۔''

اپنے آفس کی عمارت کی بالائی منزل کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے ٹائی ڈھیلی کی۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ تمتما رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ چل رہے تھے اور مسلسل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی کرسیوں اور کیبن میں کام کرتے ورکرز رک رک کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔ ٹھوکر سے اس نے نوشیرواں کے آفس کا دروازہ کھولا۔

(''وہ مجھے چیک کر رہا تھا' کہ میرا غصہ کیسا ہے؟ کہ میں وہ پہلے والا انسان ہوں یا نہیں۔'') سامنے میز کے پیچھے نوشیرواں بیٹھا' موبائل پہ لگا تھا۔ آواز پہ ناگواری سے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم کسی وحشی جانور کی طرح اس کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے جھپٹ کر کھڑا کیا' پھر یکے بعد دیگرے دو تھپڑ اس کے چہرے پہ جڑ دیے۔

''کیا بکواس کی تھی میں نے؟ سعدی یوسف کو مت چھیڑو۔ مجھے سنبھالنے دو۔'' ایک تیسرا تھپڑ اسے دے مارتے ہوئے وہ چلایا تھا.....

(''وہ جانچ رہا تھا کہ ہم کتنا جانتے ہیں۔ پرکھ رہا تھا کہ ہم کتنے اہل ہیں۔ محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے اعصاب کتنے مضبوط ہیں۔'')

ہاشم نے ہکا بکا سے کھڑے شیر دکو پرے دھکیلا اور غصے سے حلق کے بل چلایا۔ ''میری زندگی برباد کر دی تم نے.... ہم سب کو برباد کر دیا.... میری برسوں کی ساکھ.... عزت.... سب برباد ہو جائے گا....''

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سب سمجھ گیا ہے۔ وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں بے وقوف بن جائے گا۔'')

نوشیرواں منہ پہ ہاتھ رکھے' حق دق شل سا کھڑا تھا۔ ہاشم ایک دم آگے بڑھا اور اس کی میز کی ساری چیزیں زور سے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیں۔

''وہ نیچ گھٹیا لوگ جن کو میں اپنے برابر کرسی پہ بھی نہ بٹھاؤں' وہ سب جانتے ہیں.....سنا تم نے؟ جس زمر کو تم اس آفس میں لاتے تھے' وہ سب جانتی ہے.....اور تمہاری وجہ سے میں ان کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔تمہاری وجہ سے ان کو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ تیاری کر لیں۔'' خون شام آنکھیں نوشیرواں پہ گاڑھے' وہ غرا رہا تھا۔پھر اس نے کوٹ اتار کر پرے پھینکا۔

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا نقصان نہیں کریں گے' اپنا نقصان کریں گے۔میں متفق ہوں ویسے اس بات سے مگر چونکہ سعدی سے وعدہ کیا ہے تو پھر.....نبھانا ہوگا!'')

جواہرات تیزی سے آفس میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر انگشتِ بدنداں رہ گئی۔منہ تک کھل گیا۔بکھری ٹوٹی چیزیں' منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑا نوشیرواں اور شرٹ کے آستین چڑھاتا' غصے سے چیخ چیخ کر اسے گالیاں نکالتا ہاشم۔

''میرا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہے چند دن پہلے.....میں ایک اور سکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا تھا مگر تھینکس ٹو نوشیرواں کا ردار.....آدھا مرد نوشیرواں کا ردار.....اس نے میرا سب کچھ داؤ پہ لگا دیا.....''

جواہرات کو ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔''ہاشم کیا ہوا ہے؟''

''فارس جانتا ہے۔وہ سب جانتا ہے۔ہمیشہ سے جانتا تھا۔اور وہ لوگ ہمارے خلاف کورٹ جا رہے ہیں!'' جواہرات کا سانس تھم گیا تھا۔

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ موو آن کرنے کے لئے تیار ہے.....وہ اگلے ہر مرحلے کے لئے تیار ہے.....وہ ہر شے کو سنبھالنے کے لئے تیار ہے.....'')

''اوہ گاڈ ہاشم!'' جواہرات پریشانی سے اس کے قریب آئی۔''اب کیا ہوگا؟''

''کیا مطلب کیا ہوگا؟ میں.....میں ہاشم کاردار ہوں۔یہ میری زندگی کی پہلی جنگ نہیں ہے ممی۔میں اس پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔

وہ ایک ایک روپے کے محتاج ہو کر چوبیس گھنٹوں میں سڑک پہ آ جائیں گے.....میں.....تیار.....ہوں!'' نفرت اور تلخی سے چبا چبا کر کہتے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اونچی آواز میں رئیس سمیت دوسرے افراد کو اندر آنے کا کہنے لگا.....افراتفری.....چیخ و پکار.....تصادم.....پورے آفس میں گویا قیامت آ گئی تھی.....

(''ہاشم ٹھیک سوچ رہا ہے۔وہ تیار ہے۔وہ ہمیشہ ہی تیار ہوتا ہے زمر۔وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے' مگر وہ ایک عظیم آدمی ہے۔لیکن اس کو صرف ایک بات معلوم نہیں۔کہ اس دفعہ.....'' کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے فارس مسکرا کر بولا تھا۔''میں بھی تیار ہوں۔'')

.....❖❖❖.....

عداوتوں کے عذاب سورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسن ..... ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے

جمعہ کی اس دوپہر یوں لگتا تھا گویا برفیلے بادلوں کی تہہ پگھل کر فضا میں غائب ہو گئی ہو' اور کہیں اچانک سے سنہری سورج آسمان پہ نمودار ہوتا پورے شہر کو سونے کا خول چڑھا گیا ہو۔

اپنے آفس کے کھلے دروازے پہ ہاشم اسی طرح ڈھیلی ٹائی اور چڑھے آستین کے ساتھ کھڑا' وہ چند افراد کو اندر جانے کا راستہ دے رہا تھا۔آخری داخل ہونے والے صاحب ہارون عبید تھے۔ان کے پیچھے احمر آنے لگا تو.....

''تم ابھی اسی وقت فائرڈ ہو۔'' رعونت سے انگلی سے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔احمر ساکت رہ گیا۔''مگر سر.....''

''تم فارس کے دوست ہو' مجھے اعتبار نہیں رہا تم پر اور اس وقت میرا اعتبار تم کما نہیں سکتے.....سو.....آؤٹ!'' ہاشم غصے سے کہہ کر اس

کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر آیا۔ جواہرات اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی نظر آ رہی تھی اور ناگواری سے سامنے بیٹھتے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''ہارون کو کیوں لائے ہو؟ تاکہ یہ خوش ہو جائیں؟ ان کی وجہ سے ہمارا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہاشم!''

''ہمیں اس وقت ایک ہونا ہے ممی' اپنی سیاستیں بعد میں کیجئے گا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کر آگے آیا۔ ہارون کافی محظوظ ہوتے نشست سنبھال چکے تھے۔ باقی لوگ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ نوشیرواں سر جھکائے بیٹھا تھا....اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آج ہاشم نے بھی وہی گالی دی تھی مگر وہ اسے تین گولیاں نہیں مار سکتا تھا! تو جو اُس ہمیشہ انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے!

''اسکینڈل کو اس کے شروع ہونے سے پہلے کچلا جاتا ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اسے کچلنا ہوگا۔ میں ہاشم کا ردار ہوں' اور یہ اسکینڈلز میرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ہاں اگر میں ڈوبا' تو تم سب بھی میرے ساتھ ڈوبو گے۔'' اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑے وہ ماتھے پہ تیوریاں ڈالے بلند مگر آہنی آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا.....

''ایک گھنٹے کے اندر اندر....'' وہ اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑا تحکم سے کہہ رہا تھا۔ ''ان لوگوں کو ہم پائی پائی کا محتاج کر دیں گے۔ ان کے پاس مہینہ بھر زندہ رہنے کا خرچہ بھی نہیں ہوگا۔'' پھر اس نے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہا تھا۔

''چند آئی ڈی کارڈز کی کاپیز بھیج رہا ہوں قدیر صاحب۔ یوسف خاندان کے ان آئی ڈی کارڈز سے وابستہ تمام بینک اکاؤنٹس فریز کر دیے جانے چاہیے....آپ کے پاس ایک گھنٹہ ہے....''

''جب ان کے سارے اثاثے منجمد کر دیے جائیں گے تو ان کے پاس ہم سے لڑنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ ان کو اپنی فکر پڑ جائے گی۔'' ہارون نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ جواہرات ''ہوں'' کہہ کر رہ گئی۔

''مجھے اس ملک میں....'' ہاشم اب رئیس سے کہہ رہا تھا۔ ''ان کی ایک ایک زمین' پلاٹ' مکان' سب کا حساب چاہیے۔ یہ گھر جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ ہارون تم اس کے مالک سے رابطہ کرو' ہم ابھی اسی وقت اس کو خرید رہے ہیں' شام تک ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جانا چاہیے۔ اور تم!'' سامنے کھڑے تین افراد کی طرف متوجہ ہوا' جو اس کی ہدایت کے منتظر تھے۔

''اپنے سارے آدمی لے جاؤ....شہر کے بدترین فراری مجرم جو کسی سے نہ ڈرتے ہوں....کوئی پولیس' کوئی چیک پوسٹ' تمہیں آج کے دن کوئی نہیں روکے گا۔ ان کے گھر کے باہر جا کر اپنی گاڑیاں روکو' اور گولیاں چلا چلا کر ان کی دیواروں کو چھلنی کر دو' سارے شیشے توڑ دو۔ جب متوقع خوف و ہراس پھیل جائے تو واپس آ جانا۔''

آفس میں ہر کوئی اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ہارون فون کرنے باہر چلے گئے تھے' ہاشم بھی موبائل پہ مصروف تھا۔ ایک نوشیرواں تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔

''بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے....'' ہارون نے اپنی جگہ پہ دوبارہ بیٹھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ ''ان کے نام پہ کوئی پراپرٹی نہیں بچی۔ کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے جس پہ قبضہ کر کے ہم ان کی کمر توڑ سکیں۔ واحد بچی ہوئی پراپرٹی اس نے آپ کو ہی فروخت کی تھی۔ وہ انیکسی جس کی مالیت کے کروڑوں روپے فارس غازی کے کسی اکاؤنٹ میں پڑے ہوں گے اس وقت۔'' محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گئی۔

''میں نے اپنی انا کے پیچھے وہ انیکسی خرید لی' مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میری ہی رقم سے ہمارے خلاف کیس لڑے گا۔''

''اور وہ گھر؟'' ہاشم نے تیزی سے بات کاٹی۔ ''وہ کس کے نام ہے؟''

''وہ چند دن پہلے ان خاتون سیاستدان نے خریدا ہے جن کو بدنام کرنے میں تمہاری ماں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ہم اس عورت سے وہ گھر نہیں خرید سکتے۔ ہم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے اور ہاشم نے غصے سے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر دیوار پہ دے مارا۔ کانچ کے ٹکڑے فرش پہ جا گرے۔ سب خاموش ہو گئے۔ پھر وہ فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن وہ اس رقم کو نہیں استعمال کر سکیں گے۔ جب ان کے بینک اکاؤنٹس فریز ہو جائیں گے تو وہ اس رقم سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔'' دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ ہاشم کے چہرے پہ جوش تھا۔ امید تھی۔

''جی قدیر صاحب؟ کام ہو گیا؟'' رابطہ ملتے ہی وہ تیزی سے بولا۔ ''گڈ۔'' وہ مسکرایا۔ ''تو ان کے تمام اکاؤنٹس فریز ہو گئے۔ ویری گڈ۔'' اس نے وکٹری کی دو انگلیاں بنا کر اوپر اٹھائیں۔ جواہرات نے سکون کی پہلی سانس خارج کی۔ ''یعنی اب وہ ان بینک اکاؤنٹس سے کچھ نہیں لے سکتے۔ زبردست۔ ویسے اندازاً کتنا سرمایہ فریز ہوا ہو گا؟'' اور پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''دو ہزار سینتیس روپے؟ آپ مذاق کر رہے ہیں؟'' ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا۔ آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ''کیا مطلب؟ ان کے اکاؤنٹس خالی کیوں ہیں؟ پچھلے ایک ماہ میں انہوں نے اپنا تمام سرمایہ کہاں منتقل کر دیا ہے؟''

اب کی دفعہ اس نے فون آہستہ سے پرے ڈالا تھا۔ ''فارس اپنی تمام رقم کہیں اور منتقل کر چکا ہے اور ہم ٹریس نہیں کر پا رہے کہ کدھر۔''

''سر.... پلیز یہ دیکھیں۔'' حلیمہ تیزی سے آفس میں داخل ہوئی اور اس سے پہلے کہ ہاشم اس کو جھلا کر باہر جانے کو کہتا' اس نے ایک ٹیب میز پہ رکھا۔ اسکرین پہ موجود چہرہ دیکھ کر ہاشم چونک کر سیدھا ہوا۔

''میرا نام ہے سعدی یوسف!'' وہ سڑک کنارے چلتے ہوئے' سیلفی کیمرے سے اپنے چہرے کی ویڈیو بناتا تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے آٹھ ماہ تک سری لنکا کے شہر کولمبو کے ہوٹل (نام لے کر) کے تہہ خانے میں قید رکھنے والے کاردار خاندان اور ہارون عبید کو میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں.... واپس آ گیا ہوں' اور میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔ میں عدالت میں جا کر بتاؤں گا کہ مجھے گولیاں مارنے والا نوشیرواں کاردار تھا' مجھے اغوا کر کے حبسِ بے جا میں رکھنے اور نیسکام پراجیکٹس کے حساس راز پوچھنے کے لیے تشدد کرنے والے مشہور زمانہ IPPs ہارون عبید اور ہاشم کاردار تھے۔'' وہ چلتے چلتے پورے اعتماد سے بولتا جا رہا تھا۔ چہرے پہ سختی اور آنکھوں میں تپش تھی۔ ''اور اگر مجھے قتل کر دیا گیا یا غائب کر دیا گیا تو ہاشم کاردار اور ہارون عبید کو پکڑا جائے۔ کیونکہ....'' ویڈیو کافی لمبی تھی۔ سنسنی خیز بھی تھی۔ جہاں ہاشم کے چہرے کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا وہاں ہارون کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی تھی اور وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اپنے نام پہ چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ جواہرات بالآخر ہلکی سی مسکرائی تھی۔ جلتے دل پہ پھوار پڑی تھی۔

نوشیرواں جو اس سارے اثناء میں سر جھکائے بیٹھا تھا' ایک دم کھڑا ہوا۔ وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''بھائی.... لوگ اس ویڈیو کے نیچے میری تصویریں پوسٹ کر رہے ہیں۔ میری کوئی پرائیویسی ہے۔ یہ سب مجھے بدنام کر رہے ہیں۔'' اس کا چہرہ فق تھا اور اس پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پھر وہ لپک کر ہاشم کے پاس آیا۔ ''مجھے اس سب سے نکالیں بھائی۔ پلیز کچھ کریں!'' اس کے چہرے پہ التجا تھی۔ ساری ہٹ دھرمی' وہ پورا مرد بننے کا زعم' سب غائب تھا اور وہ بوکھلایا ہوا لگتا تھا۔

ہاشم نے ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالی۔ ''ہاں ایک اسی کام کے لئے ہے تمہارا بھائی۔ مگر بے فکر رہو' ہر دفعہ کی طرح تمہارا پھیلایا گند میں صاف کر لوں گا۔'' اور فون اٹھا کر ان افراد کو کال کرنے لگا جو اس نے فارس کے گھر کی طرف روانہ کیے تھے۔

''ان کے گھر کے سارے شیشے توڑ ڈالو۔ انہوں نے ویڈیو بنا کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنی گولیاں برسانا کہ ان کی دیواریں چھلنی ہو جائیں۔'' ازسرِنو تاکید کرتا وہ کہہ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں کھا کر ٹھوکر ابھی تک حوصلہ مند ہوں ..... یہ ٹھوکر جو تمہیں لگتی تو تم خود بکھر جاتے

فروری کی وہ گرم دوپہر اس بنگلے کی سبز بیلوں کو بھی جھلسائے جا رہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکی کا بیرونی شیشہ سنہری روشنی کو منعکس کرتا

چمک رہا تھا۔اس گرم شیشے پہ تم اپنا ماتھا ٹکا کر اندر جھانکو تو ڈائننگ ٹیبل سے سب اٹھ کر اب لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ندرت اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ابا فکرمندی سے کبھی فارس کو دیکھتے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سا بیٹھا تھا' اور کبھی زمر کو جو بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ حنین اور سیم سامنے صوفے پہ خاموش مگر مضطرب بیٹھے تھے۔

''سعدی کو گھر آ جانا چاہیے تھا' وہ کیوں نہیں آیا؟'' زمر کو بے بس سا غصہ آنے لگا تھا۔''ہاشم سعدی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔''

''اونہوں۔یہ وہ پہلا کام نہیں ہے جو وہ کرے گا۔'' فارس نے سیل فون سے چہرہ اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر کہا۔زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔سب اسے دیکھنے لگے۔

''پھر وہ کیا کرے گا؟''

فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' ایک بوٹ میز پہ رکھا' پھر قینچی صورت دوسرا بوٹ اس کے اوپر جمایا' ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھا' اور موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔''وہ سب سے پہلے اپنے سب سے قابلِ اعتبار ملازموں اور دوستوں کو اکٹھا کرے گا اور جن پہ اعتبار نہیں ان کو نکال دے گا۔احمر شفیع کی تو آج ہوئی چھٹی۔''

''اچھا۔پھر؟'' حنین نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پھر یہ کہ وہ اپنے اتحادیوں اور خود اپنے آپ کو یہ بتائے گا کہ وہ ہارا نہیں ہے۔ایک لمبی تقریر کرے گا۔میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔میں اس کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔وہ وہی کام کرے گا جو وہ ہمیشہ ایسے مواقع پہ کرتا آیا ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ۔''

''ظاہر ہے' کزن کس کا ہے۔'' زمر کلس کر بولی تھی۔فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر سر کو تائیدی انداز میں خم دیا۔

''پھر وہ اپنے ملازموں کو حکم دے گا کہ یوسف خاندان کی ایک گھنٹے کے اندر اندر کمر توڑ دی جائے۔'' فارس کے الفاظ پہ حنین کی آنکھیں پھیلیں۔زمر بھی سیدھی ہوئی۔''مگر کیسے فارس؟''

''وہ ہمارے بینک اکاؤنٹس فریز کروا دے گا۔اس کے اسٹیٹ بینک میں جتنے دوست ہیں' اتنے ہمارے پوری دنیا میں رشتے دار نہیں ہیں۔'' وہ موبائل پہ ہاتھ چلاتے ہوئے عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔

''ہمارے بینک اکاؤنٹس؟'' زمر بے دم سی ہو کر صوفے پہ گری۔''میری ساری سیونگز' ابا کے پیسے' سب بینک میں ہے۔میں اتنی جلدی کیسے نکلواؤں گی سب؟''

''خیر اب تک وہ انہیں فریز کر چکے ہوں گے۔'' فارس نے شانے اچکائے۔زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ویسے تو زمر بی بی آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں' مگر تھوڑی بہت عقل ہے مجھ میں۔میں نے ہمارا سارا پیسہ کچھ عرصہ قبل چند آف شور بینک اکاؤنٹس میں منتقل کر دیا ہے۔وہ اس کو ٹریس بھی نہیں کر سکتے۔'' زمر کو اچنبھا ہوا۔

''مگر تم میرے بینک اکاؤنٹ کو کیسے آپریٹ کر سکتے ہو؟ تمہیں میری پن تک معلوم نہیں۔'' فارس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''بالکل آپ کی پن جو آپ کی ڈیٹ آف برتھ ہے وہ مجھے قطعاً معلوم نہیں۔'' حنین نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا اور ابا نے ہنسی روکنے کو چہرہ موڑ لیا البتہ سیم کے دانت نکل آئے تھے۔زمر کے گال گلابی پڑے۔تندہی سے فارس کو دیکھ کر بولی۔''مجھے اپنی ایک ایک پائی واپس چاہیے۔اچھا۔''

''خیر ماموں' اکاؤنٹس فریز کرنے کی ناکام کوشش کے بعد وہ کیا کرے گا؟'' حنہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

''وہ ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کر کے سڑک پہ لانے کی کوشش کرے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ہمارا گھر خریدنا چاہیں گے؟''

''ہمارا گھر؟ اگر انہوں نے ہمارا گھر خرید لیا تو ہم کہاں جائیں گے؟'' زمر پھر سے پریشان ہونے لگی۔ وہ جتنا خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتی' اتنی مضطرب ہوتی جا رہی تھی۔ جواب میں سب نے خاموشی سے فارس کو دیکھا' جو اپنے سیل فون کو دیکھ رہا تھا۔

''ہم یہیں رہیں گے کیونکہ میں یہ گھر ایک ایسی شخصیت کے ہاتھوں فروخت کروا چکا ہوں جن سے وہ بات تک نہیں کر سکتے فی الحال۔'' اور ساتھ ہی ان خاتون کا نام بتایا۔ جس طرح وہ اطلاعات دے رہا تھا' اور سیم اور حنین دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ چہرہ جھکا لیتے تھے' چڑیل کا خون کھول رہا تھا۔

''خیر' تمہارا وہ ڈیئر کزن جو تمہاری وجہ سے ہم سب کے سروں پہ مسلط ہوا ہے' وہ اس کے بعد کیا کرے گا تمہارے خیال میں؟ تم تو اس کا ذہن بھی پڑھ سکتے ہو نا۔ آخر ہو تو تم بھی آدھے کا ردار۔'' فارس نے سر کو تعریف وصولی کے انداز میں خم دیا۔

''تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔'' اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب فارس نے چہرہ اٹھایا' یوں جیسے کوئی آہٹ سننا چاہ رہا ہو۔

''آ گئے۔'' اس نے محظوظ انداز میں کہا۔ پھر سب کی منتظر صورتیں دیکھ کر بولا۔ ''کرایے کے غنڈے ہمارے گھر پہ فائرنگ کرنے آ گئے۔''

''تو پولیس کو کال کرو فارس....'' وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ''وہ لوگ ہمارے گھر پہ حملہ کریں گے تو ہمیں حفاظت چاہیے ہو گی۔''

''حفاظت کا بندوبست آپ کا یہ بے کار' جیل یافتہ' دو لوگوں کا قاتل شوہر پہلے ہی کر چکا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس آپ جیسی تیز زبان ہے نہ ذہانت و فطانت....'' وہ بڑے ادب سے بتا رہا تھا۔ ''سو جب وہ لوگ آئیں گے' تو اس کالونی کی چار مختلف چھتوں پہ موجود لوگ اپنے تمام....آہم....''اوزار'' اور ''ہتھیار'' لے کر نکل آئیں گے اور ان حملہ آوروں کو ''شوٹ'' کریں گے' جس کے بعد وہ ہمارے گھر پہ فائرنگ نہیں کر سکیں گے۔''

زمر تو زمر' ابا بھی دنگ رہ گئے۔ ''فارس' یہ تو خون خرابے والی بات ہوئی۔''

زمر تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ باہر کالونی کی سڑک پہ جیپیں رکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی کھلی چھتوں سے رائفلز اور جدید اسلحہ اٹھائے بیٹھے چند ہٹے کٹے افراد صاف دکھائی دیتے تھے۔ (گیٹ اور چار دیواری چھوٹی تھی سو یہ منظر صاف واضح تھا۔)

''ایسے مت کرو فارس....روکو ان لوگوں کو....یہ غلط ہے' کوئی مر گیا تو؟ کال کرو انہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ درختوں سے پرندے ایک دم سے اڑے۔ کھڑکی میں کھڑی زمر کی رنگت پھیکی پڑی۔

''فارس' تم اپنے لوگوں کو منع کرو' کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ یہ لوگ ہوائی فائرنگ کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

''اب دیر ہو چکی ہے' میں شوٹنگ کا آرڈر دے چکا ہوں۔ وہ لوگ اپنی پوزیشنز سنبھال چکے ہیں۔ اور آپ کھڑکی سے ہٹ آیئے' یہ نہ ہو کہ میں تیسری دفعہ جیل چلا جاؤں۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

لاؤنج میں خوفزدہ سا سناٹا چھا گیا تھا۔ حنین اور سیم کی مسکراہٹیں غائب تھیں۔ ابا پریشان سے ہو گئے تھے۔ اور زمر کھڑکی سے نہیں ہٹ رہی تھی۔

''فارس ان پہ جوابی شوٹنگ مت کرواؤ۔ تم ان کو کال کیوں نہیں کرتے۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی تھی۔ نظریں سامنے والی

چھتوں پہ جمی تھیں۔ اور یکا یک.... قریبی دو چھتوں پہ چند لوگ نمودار ہوئے۔ زمر کا دل زور سے دھڑکا۔ (باقی دو چھتیں اس جگہ سے دکھائی نہ دیتی تھی۔) انہوں نے بلند آواز میں کچھ کہتے ہوئے نیچے سے چند ''ہتھیار'' اٹھا کر اوپر کیے اور ان کا نشانہ جیپ والے گھس پیٹیوں کی طرف باندھا....

زمر دھک سے رہ گئی۔

ان کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں تھا۔

ان کے ہاتھوں میں جدید فوٹو گرافی کے آلات تھے۔ ویڈیو کیمرے' اسٹل کیمرے' مائیکس.....

''چچ چچ.... کتنی کوئی کرمنل سوچ رکھتی ہیں آپ زمر بی بی۔ میں تو فوٹو شوٹ کی بات کر رہا تھا۔ آپ کیا سمجھیں؟'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ زمر کی شل نظریں وہیں پہ جمی تھیں۔ چھتوں پہ اکٹھے ہوئے رپورٹرز دھڑا دھڑ فوٹو گرافی کر رہے تھے' گویا لائیو کوریج کر رہے ہوں۔ ان کے انداز نے گلی میں رکے کھڑے' اسلحہ اٹھائے' دن کی روشنی میں بغیر کوئی نقاب پہنے کرایے کے غنڈوں کو بوکھلا دیا تھا۔ انہوں نے فائرنگ روک دی۔ چہرے گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ہڑ بونگ سی مچی۔ کسی نے نیچے ہونے کو کہا۔ کسی نے اندر بیٹھنے کو۔ ٹائر زحرکت میں آئے۔ سڑک پہ رگڑنے کی تیز آواز کے ساتھ گاڑیاں زن سے واپس ہوئیں۔ چند لمحوں میں وہ غائب ہو چکی تھیں۔

''ایسی وارداتیں عموماً فراری مجرموں سے کرائی جاتی ہیں۔ فراری کسی سے نہیں ڈرتا' نہ پولیس سے نہ معصوم شہریوں سے۔ وہ صرف ''کسی'' کے ساتھ دیکھ لئے جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کے دشمن جان جائیں گے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ آج کل رہ رہا ہے' وہ صرف اسی بات سے ڈرتا ہے۔ اور یہ چند نئے رپورٹرز جن کو اپنا کیریئر بنانے کے لئے ایک چٹ پٹی خبر کی تلاش تھی' یہ ہر وقت یہاں موجود نہیں ہوں گے' مگر کاردار زاب کسی کو یہاں بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لیں گے۔ ہمیں دوبارہ ''ڈرانے'' کا مطلب ہوگا قصے کو مزید مشہور کرنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اب لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ ابا قدرے پرسکون تھے' حنین اور سیم نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا اور زمر لب بھینچے سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ (دو نمبر آدمی۔ ہونہہ!)

''اب؟ اب کیا کرے گا وہ؟'' زمر فارس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے پوچھا۔

''شاید کچھ چھوٹے موٹے کام۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''جیسے ہمارے خلاف جھوٹے مقدمے کروانا' میڈیا میں ہمارے خلاف خبریں دینا۔ مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہ سب کرے گا۔ شاید وہ خاموشی سے انتظار کرنا مناسب سمجھے۔ وہ چاہے گا کہ ہم الزام لگانے میں پہل کریں' اور یہاں پہ میں سعدی اور اس کے انصاف والے آئیڈیلزم سے متفق نہیں ہوں مگر ہمیں ہی الزام لگانے میں پہل کرنی ہوگی....'' فارس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین ان کے سامنے کی۔ ''میں اتنی دیر سے اس ویڈیو کو مختلف جگہوں پہ بھیج رہا تھا۔ یہ ویڈیو سعدی نے دو روز پہلے بنا کر بھیجی تھی۔ ''میرا نام ہے سعدی یوسف''۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں اس کے ڈھائی ہزار ویوز آ چکے ہیں اور جلد یہ ٹی وی پہ ہوگی۔''

اسکرین پہ دور سے نظر نہیں آیا کہ وہ کون سی ویڈیو تھی اور فارس نے موبائل واپس موڑ لیا' مگر سب بے چین ہو گئے تھے۔ ''سعدی گھر کیوں نہیں آیا؟''

''ابھی تک دماغ درست نہیں ہوا اس کا۔'' وہ خفگی سے بڑبڑایا تھا۔

''تو اب تمہارا ڈیئر کزن کورٹ میں جانے کا انتظار کرے گا؟'' وہ اسی طنزیہ انداز میں بولی۔

''ہاں۔ اب وہ خاموشی سے ٹرائل کا انتظار کرے گا کیونکہ وہ اسے جیت کر نوشیرواں کو باعزت بری کروا لے گا۔ اگر کوئی ٹرائل ہوا بھی تو۔''

''کیوں؟'' سیم کو برا لگا۔ حنین بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری بیگم سے معذرت کے ساتھ' مگر اس لئے کہ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے۔'' اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر پیچھے ہو کر بیٹھا تو زمر پیر پٹخ کر مڑی (میں جو اتنے ماہ خوار ہوئی۔ اس کو بھی انصاف دلایا۔ مگر نہیں۔ اسی کو ہیرو بننا ہوتا ہے آخر میں۔) اور چند قدم دور گئی۔ پھر رکی۔ آنکھوں پہ چمک ابھری' لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ واپس مڑی۔

''تھینک یو فارس۔ تم نے ہر چیز اتنے اچھے سے پلان کی' ہر مسئلے کا حل نکال کر رکھا' تھینک یو۔'' اس کے بدلے انداز پہ فارس نے مشکوک انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''یور ویلکم!''

''اور تمہاری اس انتھک محنت کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے۔''

''کس چیز کے لئے؟'' وہ ہنوز مشکوک تھا۔

''سعدی کو مارنے کے لئے۔'' پھر باقی سب کو دیکھا۔ ''او تم نے نہیں بتایا کسی کو کہ جب تم اس سے کینڈی میں ملے تو تم نے اس کو کتنی بری طرح سے مارا تھا' اور اس کے منہ پہ وہ زخم بھی تم نے ہی دیا تھا' مگر خیر' تم غصے میں تھے' معاف کیا۔''

(چڑیل نہ ہو تو) وہ خفگی سے اسے گھورتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ حنین' سیم اور ابا ایک دم اسے دیکھنے لگے تھے۔ بے یقین' تفتیشی نظروں سے۔

چلو جی۔ ساری کارکردگی پہ پانی پھر گیا۔

تب تک زمر مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ بھی جانے کو اٹھا۔

''ماموں!'' سیم نے صدمے اور غصے سے اسے دیکھا۔ حنین بھی آستین موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایک منٹ۔ ذرا ہماری بات سنیں پہلے۔''

''جھوٹ بول رہی ہے وہ۔ استغفراللہ!'' وہ پیچ و تاب کھاتا (ان کی نظروں سے بچتا) بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا' اس سے پہلے کہ مورچال کی یہ چیونٹیاں اسے نوچ کھائیں۔

.....❖❖❖.....

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست ..... آہ مجھ سے تجھے وہ شکوہ بے جا بھی نہیں

اگلی صبح تک کوئی خاطر خواہ واقعہ پیش نہ آیا۔ کسی بڑے طوفان سے پہلے کا سکوت سارے میں چھایا رہا۔ ہاشم اور جواہرات ہارون کے ساتھ آفس میں بیٹھے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں موبائل بند کر کے سر منہ لپیٹے پڑا رہا۔ ہاشم نے اسے پیشکش کی کہ وہ ملک سے باہر چلا جائے مگر وہ راضی نہیں ہوا۔

''میرے دوست' میرا سوشل سرکل' وہ سب سمجھیں گے کہ میں نے یہ کیا ہے۔ کہ میں بھاگ گیا ہوں۔ نہیں' میں نہیں بھاگوں گا۔ مجھے کوئی ہتھکڑی نہیں لگا سکتا۔''

ندرت معمول کے مطابق ریسٹورانٹ میں تھیں۔ سیم اور حنہ بھی ادھر آ گئے تھے۔ باہر فارس کے پہریدار موجود تھے۔ سعدی کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ پھیل رہی تھی' مگر اتنی تیزی سے نہیں کہ میڈیا والے ان کے گھر آ پہنچیں۔ سو ابھی سکون تھا' سکوت تھا۔

فوڈ لی ایور آفٹر میں گاہکوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ حنین کاؤنٹر سے دور' کونے کی میز سنبھالے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ میز پہ حسبِ عادت چین رکھا تھا اور ساتھ میں ٹوٹی ہوئی مورچال کی تختی۔ ایک نظر اس تختی پہ ڈال کر وہ اب اسکرین کو دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر خوبصورت تختیوں کو سرچ کیا۔ بہت سے امیج کھل گئے۔ تصاویر کی بہتات۔ حنہ ان کو دیکھے گئی۔ نت نئے ڈیزائن۔ رنگ۔ درمیان میں ایک قدِ آدم آئینے کی تصویر بھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے یونہی اس پہ کلک کر دیا۔ تصویر کی جگہ اس آئینے کی ویب سائٹ کھل گئی۔

حنین یوسف نے سن رکھا تھا کہ سنو وائٹ کی کہانی میں ایک جادوئی آئینہ تھا جو ملکہ سے باتیں کرتا تھا' اس نے اس جامِ جم کے متعلق بھی سن رکھا تھا جو بادشاہ جمشید کو پوری دنیا دکھاتا تھا۔ مگر اسے نہیں علم تھا کہ گوگل پہ کھلنے والی ویب سائٹ اس کے لئے بھی ایک دوسری دنیا کا دروازہ کھول دے گی۔۔۔

وہ ہوم ڈیکور کی ایک ویب سائٹ تھی اور جو صفحہ اس نے کھول رکھا تھا' اس میں بتایا جا رہا تھا کہ چھوٹے سے کمرے کو کیسے سجا کر خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔ کیسے دنیا بھر کے رنگ اور پھول اس میں بھرے جاتے ہیں۔ شہد کی وہ مکھی بے اختیار آگے ہوئی اور آنکھوں میں خوشگوار تحیر بھرے ان رنگوں کو دیکھے گئی جو ایک گھر کو سلیقہ اور سجاوٹ عطا کرتے دکھائی دے رہے تھے....

''وائے'' ہر دوسری تصویر پہ اس کے لبوں سے نکل رہا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ اس نے اچھے گھر نہ دیکھے تھے۔ کورین اور ترکش ڈراموں کے گھر وہ دیکھتی آئی تھی۔ مگر اس نظر سے نہیں دیکھے تھے۔

کیش کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا فارس' جنید سے کچھ پیپرز لے کر دیکھ رہا تھا۔ اکاؤنٹس وغیرہ کا حساب۔ (ندرت مارکیٹ گئی تھیں گھر کی ماہانہ گروسری لینے) اور ریسٹورانٹ کے ملازمین یہ فرض کر چکے تھے کہ آئندہ ان کا نیا باس وہی ہوگا۔ شاید وہ خود بھی یہ طے کر چکا تھا۔

دفعتاً ریسٹورانٹ کا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ فارس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس طرف چلی آ رہی تھی۔ سفید لمبا کوٹ پہنے' اور بال سرخ اسکارف میں لپیٹے' ماتھے سے چند سرخ لٹیں نکالے' کہنی پہ ڈیزائنر بیگ اٹکائے وہ ایک میز کی کرسی کھینچ کر بیٹھی اور بلی جیسی آنکھیں دو بار جھپکا کر اسے دیکھا۔ فارس نے بے اختیار دور بیٹھی حنہ کو دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ میں گم تھی۔ پھر وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ ساتھ میں بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

''ناراض ہوں!'' وہ بچوں کے سے خفا انداز میں بولی۔ فارس نے گہری سانس بھری۔ ''تو یہاں کیوں آئی ہیں؟''

''آپ نے کہا تھا میرے بابا کا نام نہیں آئے گا اس کیس میں۔ پھر سعدی یوسف ان کا نام کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے کہا تھا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم یہ کیس نہیں جیت سکتے سو کسی کا بھی نام آ جائے' فرق نہیں پڑتا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ وہ چند لمحے چپ رہی۔

''آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر کیوں آئے؟ مجھے کہہ دیتے' کیا میں رکاوٹ ڈالتی؟ خاموشی سے چلی جاتی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ سرمئی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ ''کم از کم مجھے یہ تاثر تو نہ ملتا کہ جیسے میں آپ پہ مسلط تھی۔ میں تو صرف آپ کی مدد کر رہی تھی۔ یا شاید استعمال ہو رہی تھی۔''

''آئی ایم سوری!'' اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔ ''میں.... خیر.... آپ ٹھیک ہیں؟'' اب کے نرمی سے پوچھا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھوں میں ہنوز اداسی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے کبھی میں ایک فون کال کر کے آپ کو بلا لوں اور آپ چلے آئیں۔''

''مس آبدار' میں ایک اپنی مرضی کا مالک' چھتیس سال اور چھے فٹ ایک انچ کا مرد ہوں۔ میں اس طرح بلانے پہ نہیں آیا کرتا۔'' سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر اسے کچھ سمجھایا۔ وہ پھر مسکرائی۔ آنکھیں نم ہوئیں۔

''مجھے چیلنج نہ کریں کیونکہ میں ایسا بہت کچھ کر سکتی ہوں جس کے بعد آپ دوڑے چلے آئیں گے۔ خیر!'' اس کے جواب سے پہلے سر جھٹکا۔ ''مجھے مدد چاہیے آپ کی۔''

وہ جو ناگواری سے کچھ کہنے لگا تھا' رک گیا۔

''ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' اور وہ ناں نہیں سننا چاہتا۔ اس کا انداز سنگین تھا۔''

''تو.... آپ شادی کرنا چاہتی ہیں اس سے؟'' وہ چونکا تھا مگر پھر عام سے انداز میں پوچھا۔

''وہ اچھا ہے' میرا دوست ہے' مگر.....'' اس کی سنہری آنکھوں پہ آنکھیں جمائے وہ نرمی سے بولی۔ ''مجھے کسی اور سے محبت ہے۔''

فارس نے بہت دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور.... اس کسی اور کو آپ نے بتایا کہ آپ اس سے.....!''

''وہ جانتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ.... جانتا.... ہے!'' وہ اب کے چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ فارس نے بدقت چہرے پہ چھایا نارمل تاثر برقرار رکھا۔ (ہاں ابھی اس ''کسی اور'' کی بیوی ادھر ہوتی تو تمہیں بتاتی۔)

''تو آپ کیا کریں گی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''آپ بتائیں میں کیا کروں؟ ہاشم کو بتادوں اس کسی اور کے بارے میں؟ کیا یوں وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا؟''

''آبدار!'' وہ ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں دھیما سا بولا۔ ''ہاشم میرا کزن ہے' میں اسے بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ اپنے اور اس کے درمیان کسی تیسرے کو مت لائیں۔ اسے مت اکسائیں۔ اس کو اس کی وجہ سے ریجیکٹ کریں' اپنی وجہ سے نہیں۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تو؟''

''ظاہر ہے وہ نہیں مانے گا۔ تو آپ کسی ایسے شخص سے اس پر دباؤ ڈلوائیں جو اس پہ رعب رکھتا ہو۔ اور میرا خیال ہے آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ اس تیسرے شخص کے ان احکامات سے بھی واقف ہیں جن سے ہاشم نہیں ہے۔''

''اوہ!'' آبدار کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''میں سمجھ گئی۔ خیر....'' ادھر ادھر دیکھا۔ ''کچھ کھلائیں پلائیں گے نہیں کیا؟''

''نہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کوئی بھی تعلق آپ کو کبھی نقصان دے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب کی دفعہ میں بلاؤں تو آیئے گا ضرور ورنہ میں نے کہا نا' مجھے بلانے کے سارے طریقے آتے ہیں۔'' آبدار مسکرا کر کہتی اٹھی۔ بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ناخوش سا کھڑا کچھ سوچتا رہ گیا۔

چند فرلانگ دور ایک کیش اینڈ کیری اسٹور کے اندر دن کے وقت بھی تیز سفید بتیاں روشن تھیں۔ ندرت یوسف ٹرالی لئے اشیاء خورد و نوش کے ریکس کے ساتھ چلتی جا رہی تھیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے۔ فاصلے سے۔ احتیاط سے۔ ریکس کی لمبی قطار کے آخر میں.... وہ اوٹ سے نکل کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ سر پہ کیپ' گلاسز' اور بڑھی ہوئی شیو نے سعدی کا چہرہ قدرے مختلف بنا رکھا تھا۔ اس کی زخمی نظریں ندرت کے تعاقب میں تھیں۔ وہ اس سے چند قدم ہی دور تھیں۔ اس طرف ان کی پشت تھی۔ فرہبی مائل عام سے گرم سوٹ میں ملبوس تھیں شال سر پہ لے رکھی تھی۔ سوئیٹر حسب عادت بنا آستین والا تھا۔ وہ کبھی آستینوں والا سوئیٹر نہیں پہنتی تھیں۔ ایک ہاتھ میں جہیز کے دو کنگن تھے۔ جو ہر موسم میں ہر وقت پہنے رکھتی تھیں۔ کنپٹیوں اور ماتھے سے ذرا سفید بال جھلک رہے تھے۔ آنکھوں کے حلقے بڑھ گئے تھے۔ بار بار رکتیں۔ کچھ یاد کرتیں۔ پھر کوئی شے اٹھاتیں۔ شاید اب وہ چیزیں بھولنے لگی تھیں۔ شاید ذہنی طور پہ بہت الجھی رہنے لگی تھیں۔

وہ اوٹ سے ان کو دیکھے گیا۔ چھپ کر۔ نم آنکھوں سے۔ وہ اب ایک ریک کے سامنے کھڑیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ یاد کر رہی تھیں۔

''کیا رہ گیا؟ اب گھر پہنچ کر یاد آئے گا۔'' وہ خود سے خفا تھیں۔ وہ اوٹ سے نکلا اور قدم قدم چلتا ان کے قریب آیا۔ وہ پشت کیے کھڑی تھیں۔ وہ ٹرالی کے سرے پہ آ کھڑا ہوا۔ ایک نظر سامان پہ ڈالی۔ پھر سامنے والے ریک سے مایونیز کا بڑا جار اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا اور آگے بڑھ گیا۔ ندرت نے کسی کو جار رکھتے دیکھا تھا۔ سو فوراً گھومیں۔ جار اٹھا کر دیکھا۔ ہاں' یہی تو بھول گئی تھیں۔ سر اٹھایا۔ متلاشی نگاہ دوڑائی۔ کوئی نہیں تھا آس پاس سوائے گاہکوں اور ورکرز کے۔ کچھ دیر حیران ہوئیں۔ مگر شاید کسی ورکر سے مانگا تھا انہوں نے تبھی اس نے لا دیا

ہوگا۔ خیر ترالی دھکیلتی آگے بڑھ گئیں۔

❖❖❖

جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی رہو اس پر ظفر ..... آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہیے

جواہرات اپنے لان میں آرام دہ کرسی پہ نیم دراز دھوپ سینکتے ہوئے موبائل کان سے لگائے نخوت اور ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ مسز عباد۔ ان لوگوں کا ہمارے ساتھ جائیداد کا تنازعہ ہے' چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتیں' ہونہہ۔ ورنہ میرا شیرو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے۔ پرندے کا بچہ نہیں مار سکتا وہ۔'' رک کر کچھ سنا۔ ناگواری سے چہرہ سیاہ ہوگیا۔ ''شوٹنگ کلب کا ممبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی نے سعدی کو شوٹ کیا تھا۔ یہ تو اس کا ٹیلنٹ ہے' آرٹ ہے۔'' دو چار باتیں مزید کہہ کر سنا کر اس نے جھنجلا کر فون بند کیا اور ساتھ رکھی میز پہ ڈال دیا۔ ناک چڑھائے کوفت سے سر جھٹکا۔

''یہ ڈراؤنے لوگ.....''

''آنٹی!'' دور سے چہکاری سنائی دی تو جواہرات نے لمبی کرسی پہ نیم دراز گردن موڑی۔ سبزہ زار کے دوسرے دہانے سے آبدار چلی آرہی تھی۔ سورج مکھی کے رنگ کا لمبا فراک پہنے' بال سرخ رومال میں باندھے' کہنی پہ انکی باسکٹ میں ڈھیروں پھول لئے وہ اس وقت واقعتاً ریڈ رائیڈنگ ہڈ لگ رہی تھی۔ جواہرات کے چہرے کے زاویے سیدھے ہوئے' مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔

''کیسی ہیں آپ آنٹی؟ یہ پھول میں آپ کے لئے لائی ہوں' اپنے باغیچے سے توڑ کر۔'' دوسری لمبی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے باسکٹ درمیانی میز پہ رکھی۔ سفید گلابی چہرہ سرما کی دھوپ کی تمازت سے دہک رہا تھا مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بنی۔ تم نے اتنے عرصے بعد شکل دکھائی۔'' یونہی نیم دراز اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ دبا کر اسے پیار سے بولی۔ گہری آنکھیں اس کے شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔

''بس آنٹی۔ مجھے تو اس فصیح کی فکر ہے۔'' وہ تو بے تو پہ والے انداز میں کانوں کو چھو کر بولی۔ ''سنا ہے وہ ابھی تک سری لنکا میں غائب ہے' پولیس اس کو تلاش کر رہی ہے لیکن آنٹی میں تو سوچتی ہوں کہ وہ نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ ورنہ ہاشم تو اس کو دیکھتے ساتھ ہی گولی مار دے گا۔''

''کیوں؟'' جواہرات چونکی۔

''یہ دیکھیں۔ اس فصیح نے بھی کیسی غداری کی ہاشم کے ساتھ۔'' اس نے بڑے سے نوٹ کی اسکرین پہ چند بٹن دبا کر اسے جواہرات کے سامنے کیا۔ اسکرین پہ چلتے منظر کو دیکھ کر آرام دہ کرسی پہ نیم دراز جواہرات کی رنگت فق ہوگئی۔

وہ آفس چیئر پہ بیٹھی تحکم سے فصیح کو ہدایات دیتی نظر آرہی تھی۔ سعدی اور خاور کے قتل کی۔ جواہرات نے چونک کر آبی کو دیکھا۔ وہ اسی سادہ انداز میں بولے جارہی تھی۔

''کیسا ہولناک کام کیا فصیح نے۔ ہاشم کی پیٹھ پیچھے اس کے مہمانوں کو مارنے کا سوچا۔ ہاشم کے پلانز تھے اپنے مہمانوں کے بارے میں۔ فصیح نے ان کو خراب کر دیا۔ تبھی تو وہ دونوں بھاگ نکلے اور یہ اسکینڈل شروع ہوا۔ جب ہاشم کو معلوم ہوگا کہ فصیح اس کا ذمہ دار ہے تو وہ تو فصیح کی جان لے لے گا۔ اس سے سارے رشتے ناتے توڑ دے گا۔'' جواہرات پہ نظریں ہمائے وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ ''اس پہ کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ ہاشم کو فصیح کے اس عمل سے کتنا دکھ پہنچے گا۔ آپ سمجھ سکتی ہیں نا۔ مجھے تو فصیح کی بہت فکر ہے۔ اس لئے پلیز آپ یہ سب ہاشم کو نہیں بتائیے گا ورنہ وہ تو فصیح سے اپنا رشتہ ہی ختم کر دے گا۔'' فصیح نامہ سنا کر وہ نوٹ واپس پرس میں ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور ہاں آنٹی..... ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہتیں۔ اور آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنی کیوٹ ہوں' آپ کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار رہتی ہوں۔ اب ہاشم کو اس ارادے سے صرف آپ ہی باز رکھ سکتی ہیں نا تو سمجھا دیجئے گا اسے۔ ہوں؟

او کے میں چلتی ہوں۔ آج مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' جھک کر جواہرات کے گال سے گال مس کر کے چوما' مسکرا کر سیدھی ہوئی اور ہاتھ ہلاتی واپس جانے کو مڑ گئی۔

جواہرات اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی۔ یونہی نیم دراز پڑی رہی۔ اس کا چہرہ فق تھا اور اعصاب شل۔ پھر دھیرے سے ان آنکھوں میں سرخی اتری۔ ایک دم زور سے ہاتھ مار کر اس نے باسکٹ الٹ دی۔ سارے پھول سبزہ زار پہ بکھرتے چلے گئے۔

وہ زرد گلاب تھے۔ دشمنی کی علامت۔

.....❖❖❖.....

جو کہتے ہیں اس آندھی میں پر نہ تولا جائے گا ..... جو اس بات پر خوش ہیں ہم سے لب نہ کھولا جائے گا

تھانے کے اس وسیع و عریض ہال نما آفس میں ہیٹر چل رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور قلم ہاتھ میں گھماتا سنجیدگی مگر قدرے بے نیازی سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اتنے ہی سکون سے پیچھے ہو کر بیٹھی تھی اور تند نگاہیں ایس ایچ او پہ جمی تھیں۔

''سیکشن 161 سی آر پی سی CrPC کے تحت آپ ہماری اسی پرانی ایف آئی آر میں میرا بیان ریکارڈ کریں تاکہ میں ملزموں کو نامزد کر سکوں۔''

''زمر صاحبہ' میں آپ کو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ.....'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا۔ ''میں یوں بنا کسی ثبوت کے کاردار خاندان کے کسی فرد کا نام ایف آئی آر میں نہیں ڈال سکتا۔''

''میں آپ کو ثبوت تو کیا ایک وضاحت دینے کی پابند بھی نہیں ہوں کیونکہ 161 CrPC کے تحت یہ میرا حق ہے۔'' وہ بھی اتنی ہی رکھائی سے بولی۔

''آپ تحمل سے میری بات سنیں۔'' ایس ایچ او کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ ایک دم سے آفس میں بہت سے لوگ داخل ہوئے تھے۔ ایس ایچ او کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔

وہ سر پہ چادر لئے' قیمتی ہیرے کی انگوٹھیاں پہنے' ڈیزائنر بیگ اٹھائے باوقار سی خاتون جانی پہچانی تھی۔ چترال سے تعلق رکھنے والی سیاستدان جس کا سکینڈل پچھلے دنوں جواہرات کاردار نے مشہور کروایا تھا۔ اور وہ اکیلی نہیں آئی تھی۔ وکلاء اور گارڈز ہمراہ تھے۔ اس کے لئے فوراً سے کرسیاں بچھائی گئیں۔ عملے کی دوڑیں لگ گئیں۔ کوئی چائے لانے بھاگا' کوئی بیکری کی طرف۔

''کیا آپ ان کا بیان ریکارڈ نہیں کر رہے؟'' زمر کے قریب کرسی پہ بیٹھ کر وہ انگلی گال پہ رکھے' نرم مسکراتے انداز میں پوچھنے لگی۔ ایس ایچ او نے سوالیہ نظروں سے زمر کو دیکھا۔

''یہ میرے کرایے دار ہیں۔'' خاتون نے تعلق بتایا۔ زمر خاموشی سے بیٹھی انگلی پہ لٹ لپیٹتی رہی۔ ''اور میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کی ایف آئی آر میں نامزد ملزم کا نام درج کریں۔ کیا نام تھا اس کا؟ ہاں نوشیرواں کاردار! صرف یہی نام یا کوئی اور بھی لکھوانا ہے؟'' اپنائیت بھرے انداز میں چہرہ زمر کی طرف موڑ کر پوچھا۔ زمر مسکرائی' اور مسکراتے مسکراتے خاتون کی طرف جھکی۔ ''تھینکس!'' اس سے پہلے کہ وہ ویلکم کہتی' زمر کی مسکراہٹ سمٹی۔ ''مگر نو تھینکس! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ایف آئی آر ہے' میں اسے خود ہی دیکھ لوں گی۔'' تلخی سے فقرہ مکمل کیا۔ ایس ایچ او خاموشی سے تماشا دیکھنے لگا۔

''خاتون ذرا سا مسکرائی۔ ''مگر کیوں؟''

''کیونکہ آپ جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگا بھی کرتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ مجھے اپنے وکلاء کو کیس میں شامل کرنے کو کہیں

گی۔کل کو یہ وکلاء آپ کی مرضی کی سمت میں کیس کو لے جائیں گے' بھاری رقم اور پبلک میں آ کر معافی مانگنے کی شرط یہ ان کو معاف بھی کر دیں گے کیونکہ آپ ان کی ہزیمت چاہتی ہیں۔لیکن میں آپ کو یہ کیس استعمال کرنے نہیں دوں گی۔یہ ہمارا کیس ہے' ہم اکیلے اس مقام تک پہنچے ہیں صاحبزادی صاحبہ' ہم اکیلے ہی لڑلیں گے۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔صاحبزادی صاحبہ نے مسکرا کر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تو آپ ان ایس ایچ او صاحب کو راضی کیسے کریں گی نئے ملزم کا نام ڈالنے کے لئے؟''

''میں کیا کروں گی!'' اس نے گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مسکرا کر ایس ایچ او کو دیکھا۔''میں یہاں صرف فارمیلٹی کے تحت آئی تھی' اور اب میں سیدھی پولیس کی ہائی کمان کے پاس جاؤں گی' آئی جی صاحب کی بیٹی میری بھتیجی کی دوست ہے' میں ان سے شکایت کروں گی۔ڈی آئی جی صاحب کے میں نے کورٹ میں چند کام کر رکھے ہیں' ایک کال میں ان کو بھی کروں گی۔پھر میں اپنے پرانے ٹیچر ایک سیشن جج کے سامنے سیکشن 22 سی آر پی سی کے تحت پٹیشن فائل کروں گی' یا صرف اپنی ایک بہت اچھی دوست مجسٹریٹ کے پاس پرائیوٹ کمپلینٹ فائل کر دوں گی۔اڑتالیس گھنٹے کے اندر نوشیرواں کا ردار کا نام FIR میں درج ہوگا۔میرے پاس کام کروانے کے بہت طریقے ہیں۔مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔آپ آئیں' آپ کا شکریہ۔میں چلتی ہوں۔'' اپنے مدعے کو اپنے مخصوص انداز میں ''زمرائز'' کر کے وہ پرس اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مڑتے مڑتے سر ''ہونہہ'' کے انداز میں جھٹکا بھی تھا۔

(سمجھتے کیا ہیں یہ مجھے۔اتنے سال کورٹ میں جھک ماری ہے کیا میں نے؟)

.....❖❖❖.....

کیوں لپٹتا ہے میرے ساتھ یہ دریا آخر؟ ..... مجھ کو گرداب سے آگے بھی کہیں جانا ہے

اگلی دوپہر قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی طویل میز پہ کھانا کھانے ہاشم اکیلا بیٹھا تھا۔چند مہمانوں کی متوقع آمد کے باعث وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا۔نوشیرواں کو بلا بھیجا مگر میری نے واپس آ کر مایوسی سے ''وہ کہہ رہے ہیں ان کو بھوک نہیں'' کہا تو ہاشم سر جھٹک کر کھانے لگا۔یہ تب ہی تھا جب بیرونی دروازے سے سینڈل کی مخصوص ٹک ٹک سنائی دی۔چہرہ اٹھائے بغیر بھی ہاشم جانتا تھا کہ نوارد کون ہے۔اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو ہاشم!'' شہری مسکراتی ہوئی چلتی آ رہی تھی۔ہاشم نے تلخ تاثرات والا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تمہیں میرے گھر آنے جانے کے اوقات کی خبر کون دیتا ہے؟''

ڈائننگ ٹیبل کے قریب ہاتھ باندھے مؤدب سی کھڑی فیونا نے فوراً گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

''مجھے تو تمہاری دوسری بھی کئی مصروفیات کی خبر ہے۔'' وہ طنزیہ سا کہتی اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔سنہری بالوں کی اونچی پونی بنائے' چھپکلی کے ڈیزائن والے لمبے آویزے پہنے' وہ حسبِ معمول خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''سنا ہے تم شادی کر رہے ہو۔سونی کو منا بھی لیا۔واہ۔'' آنکھیں اس پہ جما کر طنزیہ بولی۔ہاشم نے ابرو کے اشارے سے ملازموں کو جانے کا کہا اور اکتا کر کھانا ختم کرنے لگا۔''ویسے تم ہمیشہ ہی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ہونہہ۔اور شادی ٹوٹنے کا الزام میرے سر لگاتے رہے اتنے سال۔''

''تم کیوں آئی ہو؟''

''میرا نام ہے سعدی یوسف دیکھنے کے بعد میں گھر کیسے بیٹھ سکتی تھی؟ ویسے اب تک تو تم پہ واضح ہو چکا ہوگا کہ میں نے نہیں' فارس نے وہ ویڈیو ریلیز کی تھی جج والی۔مجھے تو سعدی نے یونہی درمیان میں پھنسایا تمہارا دھیان بٹانے کے لئے۔''

''سب جانتا ہوں۔اور کچھ؟''

''اور یہ کہ اگر یوسفز واقعی تمہارے خلاف کیس کرنے جا رہے ہیں' تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ جب مجھے subpeona کیا جائے گا تو میں عدالت میں کیا کہوں گی؟ آخر میرے سامنے بھی اعتراف کیا تھا نا شیرو نے سعدی کو گولیاں مارنے کا!''

وہ اسی وقت زینے اترتا نیچے آیا تھا۔ کھلے دروازے کے باعث شہری کی آواز کان میں پڑ گئی۔ پہلے ہی ابتر حلیے میں تھا' ملگجی ٹی شرٹ اور شارٹس' ان الفاظ پہ تو چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ تیزی سے سامنے آیا۔

''تم اس قابل نہیں تھی کہ تمہیں کوئی پسند کرتا' یا تم سے کوئی دوستی کرتا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اسے شوٹ کیا تھا' اور اگر تم نے.....''

''شیرو!'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا اور وہ باوجود غصے کے چپ ہو گیا۔ شہرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک تند و تیز نظر شیرو پہ ڈالی۔

''میں کس قابل ہوں تمہیں کورٹ میں معلوم ہو گا کیونکہ ڈیڈی نے مجھے دس منٹ پہلے بتایا ہے کہ کورٹ آرڈر کے ذریعے زمر نے ایف آئی آر میں تمہیں اور ہاشم کو نامزد کر دیا ہے۔''

''تھینک یو شہرین' تم جا سکتی ہو۔'' ہاشم نے سختی سے کہا تو وہ پرس اٹھا کر مڑی اور آگے بڑھ گئی۔ شیرو نہیں بیٹھا' شل سا کھڑا رہا۔ پھر بے یقین نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''میرا نام.....؟''

''اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی ٹرائل نہیں ہو گا' نہ انہیں کوئی تاریخ ملے گی نہ کوئی تمہیں گرفتار کرے گا۔ کھانا کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ...'' اور اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی شیرو پیر پٹختا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہاشم نے نیپکین زور سے پرے مارا اور پلیٹ دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لاؤنج تک آیا ہی تھا کہ بیسمنٹ کی سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر باہر آتی علیشا دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرالی بیگ کا ہینڈل تھا جسے وہ ساتھ ہی گھسیٹ رہی تھی۔ ہاشم اسے دیکھ کر رکا۔

''کیا تم واپس جا رہی ہو؟'' علیشا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور چبھتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''جی.... میں کبھی نہ آنے کے لئے واپس جا رہی ہوں۔'' چبا چبا کر وہ کہنے لگی۔ ''میں نے بہت کوشش کی آپ لوگوں سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کی' آپ کو ذلیل کرنے کی' اپنا جائز پیسا آپ کی مٹھیوں سے نوچ لینے کی' مگر میں ہر دفعہ ناکام ہوئی۔ کیونکہ میں اکیلی تھی۔ اور کیونکہ میرے اندر فارس جتنی ہمت نہیں تھی۔ نہ میں سعدی کی طرح بہادر ہوں۔ میرا مقصد صرف پیسے کا حصول تھا۔ اور وہ مجھے نوشیرواں نے شیئرز واپس لیتے ہوئے کافی کثرت سے دے دیا ہے۔ اور نہیں' ابھی میں ائیر پورٹ نہیں جا رہی۔ میں ہوٹل جا رہی ہوں۔ مجھے ایک دو دن مزید شہر میں رک کر ایک آخری کام کرنا ہے۔ پریشان مت ہوں' آپ کو تباہ کرنے کا کوئی کام نہیں۔ یہ سب یوسفز کر لیں گے۔ میں تو ہوں پیسے کے پیچھے۔ تو ایک آخری چیز ڈھونڈ لاؤں آپ کے پاس' پھر اس کی قیمت آپ خود لگائیں گے۔'' ایک سانس میں کہہ کر وہ ایک زخمی نگاہ اس پہ ڈالتی آگے بڑھ گئی۔ ہاشم اسے گھور کر جاتے دیکھتا رہا۔

ایک ویڈیو کیا ریلیز ہوئی' ہر ایک کی اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ وہ یوں چڑھ کر اس سے بات کرے! ہونہہ۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

❖❖❖

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے ..... کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

وہ دن بھی خاموشی سے ڈھل گیا۔ شام اتری اور پھر رات چھا گئی۔ ندرت ریسٹورانٹ بند کر کے گھر آ گئی تھیں۔ سب اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ فارس ابھی گھر نہیں آیا تھا سو گیٹ کھلا تھا۔ باہر دونوں گارڈز کو اس نے کسی بھی گھس پٹئے کو پوائنٹ بلینک پہ شوٹ .... گن والا شوٹ .... کر دینے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ سوائے کسی ایسے لڑکے کے جو خاموشی سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا ور کسی تار کی مدد سے پورچ سے اندر رکھلتا دروازہ کھولنے کی کوشش کرے۔ ایسے لڑکے کے بارے میں اس نے ریسٹورانٹ اور گھر دونوں جگہوں کے پہریداروں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ اس کو یوں نظر انداز کریں جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔

ندرت وضو کر کے کمرے میں آئیں کہ نماز پڑھیں' پھر خیال آیا کہ کچن کا چکر لگا لیں۔ گیلے آستین بازوؤں پہ برابر کرتیں' وہ باہر آئیں۔ کچن کے اندر آ کر لائٹ جلائی۔ سلیب پہ رکھی خالی بوتلوں کو دیکھ کر وہ غصہ چڑھا کہ الامان۔

''یہ حنین بیگم اور اسامہ خان' مجال ہے جو کبھی خود سے بوتلیں بھر کر رکھ دیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ فلٹر سے بوتلیں بھر کر سلیب پہ رکھ دیا کرو۔ آگے فریج میں رکھنے کا موسم آئے گا تب کیا کریں گے یہ؟ بے غیرت اولاد۔'' کچن کی بوتلیں وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں آئیں۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر چلتی ندرت نے لاؤنج اور ڈائننگ ٹیبل میں ادھر ادھر لڑھکی خالی بوتلیں اکٹھی کیں اور انہیں کچن میں لائیں۔

ایک دم وہ ٹھٹک کر رکیں۔ سامنے سلیب پہ چاروں بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ پانی کے قطرے تک ٹپک رہے تھے۔ ندرت نے منہ میں انگلی دبائی۔ (شاید حنہ یا سیم میں سے کوئی.....) مگر چند قدم آگے آئیں تو مزید ٹھٹکیں۔ سیم اور حنہ ہمیشہ بوتلوں کو ان کے ڈھکن تک بھر دیتے تھے' وہ کہہ کہہ کر تھک گئیں کہ بوتل کو پورا نہیں بھرے' دو گھونٹ جگہ چھوڑتے ہیں تاکہ ڈھکن کھولو تو منہ پہ پانی نہ چھلک پڑے' مگر ان پہ اثر نہ ہوتا۔ لیکن ابھی جو بوتلیں بھری رکھی تھیں' ان میں دو' دو گھونٹ جتنی جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ ایسے جیسے ندرت بھرتی تھیں۔ ایسے جیسے سعدی بھرتا تھا۔ مگر..... انہوں نے سر جھٹکا۔ شاید زمر نے بھری ہوں۔ وہ دوسری بوتلوں کو بھر کر باہر نکل گئیں' اور کوئی خاموشی سے پینٹری کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔

زمر کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جلی تھی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے' اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی لیپ ٹاپ پہ اپنا فیس بک گروپ کھولے ہوئے تھی۔ سعدی کی آئی ڈی کے سرخ زخمی گلاب پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی تھی۔ وہ گھر کیوں نہیں آیا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ پھر سر جھٹکا اور آن لائن تفسیر کھولی۔ پہلے چند آیات کو پڑھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

گہری سانس لے کر اس نے کی بورڈ پہ انگلیاں رکھیں۔ وہ سعدی کے لئے لکھ رہی تھی یا اپنے لئے' کیا فرق پڑتا تھا؟

النمل کی آیات میں فرمایا جا رہا تھا۔

''یا کون ہے

جو جواب دیتا ہے لاچار کو

جب وہ اس کو پکارتا ہے

اور دور کرتا ہے اس کی تکلیف

اور وہ بناتا ہے تم کو زمین کا جانشین۔

کیا کوئی اللہ کے سوا ہے معبود؟

کتنی کم تم نصیحت پکڑتے ہو؟''

یہ آیت دل کو ایک دم پگھلا دیتی تھی۔ کی بورڈ پہ رکھی انگلیاں لرزیں۔

''پہاڑوں' نہروں' سمندروں اور زمین کی مثال دینے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ ''انسان'' کی بات کرتے ہیں۔ ''انسان'' جو قرآنِ کریم کا موضوع ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انسان کو چٹان سا مضبوط' سمندر سا گہرا' اور زمین کی طرح پرسکون رہنا چاہیے' نہروں کی طرح ہر وقت بہہ نہ جائے' بلکہ سمندر کے کھارے اور میٹھے پانی کے حجاب کی طرح اپنے جذبات کو ابلنے سے روکے رکھے۔ مگر قرآن ان مضبوط چیزوں کی مثال دے کر ان سے زیادہ مضبوط مخلوق کی طرف آتا ہے لیکن اس کی سخت لاچاری والی حالت دکھاتے ہوئے۔ انسان کے ساتھ پہلے اتنی مضبوط چیزوں کی مثال دی' پھر انسان کو اتنا کمزور کیوں دکھایا اس آیت میں؟'' اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے' لب کاٹتے ہوئے سوچا' پھر سر کو خم دیا۔

''مگر نہیں' کس نے کہا کہ مضطرب انسان ''کمزور'' ہوتا ہے۔ نہ انسان پہاڑ جیسا نہ سمندر جیسا نہ زمین جیسا ہو سکتا ہے ہر وقت۔ ہم پہ مختلف فیز آتے ہیں۔ اور جو سخت کمزور ترین لمحے میں.... لاچاری اور اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کرتا ہے' اس کی مثال ان مضبوط چیزوں کے آگے دی جا رہی ہے' کیونکہ دعا کرنے والا ان سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بھلے سجدے میں گرا ہو' رو رہا ہو' درد سے بلک رہا ہو' وہی اصل بہادر ہے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ چاہے لوگ کچھ بھی کہیں' چاہے سائینس کچھ بھی کہے' اس کی امید جوان ہوتی ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ وہی اس کے دل کو سکون دے گا' وہی اس کی آزمائش کو کھولے گا۔ آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صبر اور نیک عمل کافی نہیں۔ دعا سب سے بڑا Catalyst ہے۔ دعا کے بغیر کیا ملتا ہے؟ اور مل جائے تو رہتا ہے کیا؟ دعا اللہ سے بات کرنا ہے' اور اسی بات نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اپنا بچہ دریا میں ڈال بھی دیں تو اللہ ایک دن اسے ضرور ان کے پاس پھیر لائے گا۔ اور پہلے موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا' مگر اللہ نے ان کو جمائے رکھا' کیونکہ اللہ سے تعلق نہیں توڑا تھا انہوں نے۔ اللہ سے بات کرنا نہیں چھوڑا۔ میری طرح نہیں کہ مصیبتوں پہ دل اتنا اچاٹ کر دیا کہ دعا مانگنی چھوڑ دی۔'' ایک زخمی سا تاثر اس کے چہرے پہ ابھرا۔ وہ چہرہ جھکائے' ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔

''دعا مانگنا بھی کوئی چھوڑتا ہے کیا؟ ایسے کوئی اللہ سے بات کرنا بھولتا ہے کیا؟ یہ اپنے گلٹ اور شکوؤں کی اونچی دیوار کیوں بنا لیتے ہیں ہم لوگ؟ ایسے کوئی کرتا ہے کیا؟ اور جو کرتا ہے وہ بھی تب تک سکون نہیں پائے گا جب تک واپس نہیں آئے گا۔ کچھ تو کاش اللہ سے بھی سیکھا ہوتا ہم نے۔ جانے والوں کو وہ روکتا نہیں ہے لیکن اگر وہ لوٹ کر آ جائیں تو ان کے لئے سارے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچتے ہم کہ یہ جو ہم روز بروز اپنی دنیا میں' شادی' بچوں' شوہر' کاروبار میں مصروف ہوتے جا رہے ہیں' کوئی جو ہم سے زیادہ بڑا نظام سنبھالے ہوئے ہے' وہ ہمارے پلٹنے کا انتظار کرتا ہوگا۔ بے نیاز ہے وہ' فرق اسے نہیں پڑتا' مگر وہ ہمارے لئے ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم بھی اپنے لئے ہی اس سے محبت کرتے ہیں ویسے۔ اور اگر ہم.... کبھی بھولے بھٹکے سے لوٹ آئیں تو ہم ایک کام کرتے ہیں ''دعا'' اس کو پکارنا.... اور وہ تین کام کرتا ہے.... اس آیت کے بقول وہ تین کام کرتا ہے.... دعا کا جواب دیتا ہے.... تکلیف کو دور کرتا ہے اور ہمیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ ہم کمزوروں کو اگر کوئی چیز اتھارٹی' انصاف اور طاقت دلا سکتی ہے' کنٹرول عطا کر سکتی ہے تو وہ صرف دعا ہے۔ لاچار کی لاچاری ہٹے گی' تکلیف دور ہوگی' تب ملے گی اس کو خلافت۔ کونے میں پڑے ڈپریسڈ لوگوں کو نہیں ملتا کنٹرول۔ ہمیں سستی اور غفلت سے خود نکلنا ہوگا۔ اپنے ڈپریشن سے نکلنا ہوگا۔ اپنے گلٹ سے' اپنے اندر کے اندھیروں سے.... اس کے بعد ملے گا ہمیں اختیار.... کہ معاف کرتے ہیں یا سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم دیں گے سزا جسے ہم چاہیں' اور معاف کریں گے جسے ہم چاہیں۔ اور فسادیوں اور اپنے درمیان بنائیں گے ذوالقرنین کی دیوار جب ہم چاہیں۔ ایسا اختیار پانے کے لئے ہمیں اپنی تکلیف سے نکلنا ہوگا' اور تکلیف سے ہمیں دعا نکالے گی۔ خواہشوں کا مل جانا نہیں نکالے گا۔ میرا یہ

کام ہو جائے' مجھے اتنا مال یا اولاد مل جائے تب زندگی پہ میرا ''کنٹرول'' ہوگا' نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیں مضبوط اور پر اعتماد زندگی دعا سے ملے گی۔ دعا کیا کرو بچے۔ یہی تمہارے کام آئے گی۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لکھ رہی تھی گویا وہ سن رہا ہو۔ گویا وہ پڑھ رہا ہو۔ چلو کبھی تو پڑھے گا۔ شاید تب وہ ایسی کوئی سطر ڈھونڈ لے جو اسے کرب سے نکال لائے.....

دیوار کے اس پار ندرت اپنے کمرے میں بچھے نماز والے تخت پہ بیٹھی' نماز ادا کر رہی تھیں۔ وہ گھٹنوں کے مسئلے کے باعث دائیں ٹانگ سیدھی لٹاتیں اور بایاں پیر نیچے زمین پہ رکھتیں۔ یوں اس حالت میں سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے وہ عشاء کے وتروں کی آخری رکعت میں تھیں۔ ان کی نگاہیں تخت پہ بچھی نماز کی محراب پہ جمی تھیں اور روٹین کے انداز میں وہ کلمات ادا کر رہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ ان کی پشت پہ تھا' تبھی جب انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو آنے والے کو دیکھ نہیں پائیں۔ آنکھیں جھکائے نماز پڑھتی رہیں۔ کسی نے دھیرے سے دروازہ بند کیا تھا۔ وہ تسبیحات ادا کرتی رکوع میں جھکیں۔

''نانا والے گھر کا صحن بہت بڑا تھا۔ درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا۔ وہاں صحن میں سب نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔''

رکوع میں جھکے جھکے ندرت نے وہ آواز سنی۔ ان کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ کپکپائے۔ لبوں سے تسبیحات بمشکل ادا ہو پائیں۔

''نانا اپنے ابا جی کا قصہ اکثر سنایا کرتے تھے۔ کہ وہ اسی صحن میں اسی درخت تلے نماز پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ بچھو کہیں سے نکل آیا۔ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ نانا کے ابا جی نہیں ہلے۔ نماز ادا کرتے رہے۔ بچھو نے ان کو ڈنک مار دیا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ وہ نہیں ہلے۔'' کوئی ان کے عقب میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ ندرت بدقت سیدھی ہوئیں۔ سجدے کی جگہ پہ دھندسی اتر آئی۔ کوئی آنسو گال پہ چمکا تھا۔ لب اللہ اکبر کہتے ہوئے کپکپائے۔

''وہ اپنی نماز مکمل کرتے رہے۔ بچھو نے ان کو کئی ڈنک مارے۔ تعداد مجھے یاد نہیں۔ مگر سلام پھیر کر وہ گر گئے۔ ان کو ہسپتال لے جایا گیا۔ معجزاتی طور پہ ڈنک نے ان پہ زیادہ اثر نہیں کیا تھا۔ وہ بچ گئے۔'' آواز قریب آ رہی تھی۔ قدم ان کے پیچھے سے قریب آ رہے تھے۔ ندرت نے کپکپاتے ہاتھ سجدے کی جگہ رکھ کر جھکتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

(پاک ہے میرا بہت اعلیٰ رب.....)

''نانا اکثر یہ قصہ سناتے تھے۔ پھر آپ سنانے لگیں۔ آپ کہتی تھیں کہ انسان نماز نہیں توڑ سکتا۔ میں بحث کرتا تھا۔ کہ فتویٰ کہتا ہے تو توڑ سکتے ہیں۔ مگر آپ کہتی تھیں تقویٰ کہتا ہے نہیں توڑنی چاہیے۔ میں نہیں مانتا تھا۔ اب مانتا ہوں۔'' سجدے کی جگہ پہ چہرہ اور کندھے جھکائے (وہ ماتھا نہیں ٹیک سکتی تھیں' کہ اتنا جھکنا ممکن نہ تھا) تسبیحات لرزہ خیز آواز میں ندرت کے لبوں سے نکل رہی تھیں۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے' گرتے جا رہے تھے۔ سارا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ انہی تسبیحات کو دہرا دہرا کر پڑھ رہی تھیں۔

''انسان کو واقعی نماز نہیں توڑنی چاہیے۔ ایک یہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں آپ کو دیکھ کر لوگ فوراً سے رک جاتے ہیں.... انتظار کر لیتے ہیں۔ کسی کی جرات نہیں ہوتی کہ آپ کو مخاطب کر لے۔ کوئی آپ کو اشارہ تک کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں' اور مسلمانوں کو اتنا خوف تو ہوتا ہے نا کہ کسی بندے اور اس کے رب کے درمیان نہ آئیں۔''

آواز ان کے کندھے کے عین پیچھے آ رکی تھی۔ ندرت نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور تکبیر پڑھ کر دوبارہ سجدے میں جھکیں۔ آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔ لبوں سے الفاظ سسکیوں کی صورت نکل رہے تھے۔ وہ بار بار تسبیحات کی تعداد بھول رہی تھیں' سو ان کو دہرائے جا رہی تھیں۔ بار بار..... بار بار.....

''کوئی کسی کی نماز میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا.... سوائے ایک کے.... اور اس ایک کو تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی رعایت دی

ہے۔....''

ندرت نے کندھے واپس سیدھے کیے۔ چہرہ بالکل جھکائے' ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے۔ اور التحیات پڑھنے لگیں۔ آنسو ان کے چہرے پہ پھسلتے' تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ ٹپ ٹپ۔ جیسے موتی ہوں۔ شفاف موتی۔

''اور وہ ایک.....'' وہ ان کے بائیں گھٹنے کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔ کنکھیوں سے ندرت کو بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا ان کے ساتھ بیٹھ رہا ہے۔ اس کا سر جھکا ہے اور ہاتھ ندرت کے گھٹنے پہ ہے۔ ''اور وہ ایک ہوتا ہے.....بچہ.....اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی نواسی کو اٹھا لیتے تھے نماز میں.....سو میں سوچتا ہوں امی کہ اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آئے.....'' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ندرت کے لبوں سے الفاظ ہچکیوں اور سسکیوں صورت بلند ہونے لگے۔ ''اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آجائے اور وہ.....اور وہ رو بھی رہا ہو.....تو امی اس کی ماں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچے کو اٹھا لے.....اور پھر اپنی نماز مکمل کر لے.....امی اللہ تعالیٰ اپنی نماز کے دوران بھی کسی کو اس کے بچے سے تکلیف کے عالم میں دور نہیں کیا کرتا.....اتنی اجازت تو ہے امی.....'' وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھ کر رونے لگا تھا۔ بالکل بچوں کی طرح۔ پھوٹ پھوٹ کر۔ بلک بلک کر۔ ندرت کی آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں ان کی ہچکیاں اور ان کے درمیان الفاظ بلند ہو رہے تھے.....وہ رب اجعلنی پڑھ رہی تھیں۔

''اے میرے رب' مجھے بنا پابند نماز کا اور میری اولاد کو بھی.....اے ہمارے رب دعا کو قبول کر لے.....اے ہمارے رب مجھے معاف کر دے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو حساب کے قائم ہونے کے دن!''

ندرت نے گیلے چہرے کو دائیں طرف پھیرا' اس کو سلام اور رحمت اور برکت کی دعا دی۔ پھر بائیں طرف پھیرا' اس کو صرف سلام اور رحمت بھیجی۔ برکت کی دعا نہیں دی.....

وہ اسی طرح ان کے گھٹنے پہ سر رکھے رو رہا تھا۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان.....آہوں اور سسکیوں کے درمیان.....وہ کیا دیکھ رہی تھیں.....وہ کیا سن رہی تھیں.....ان کو معلوم نہ تھا.....منظر دھندلا تھا.....مگر وہ اس کا چھوٹے کٹے بالوں والا سر اٹھا کر جھک کر اس کا چہرہ چومنے لگی تھیں۔ ''میرا سعدی.....میرا بیٹا.....'' وہ اس کو پیار کر رہی تھیں' اس کو دیوانہ وار خود سے لگائے چوم رہی تھیں' اور وہ روئے جا رہا تھا۔

سارے منظر دھندلے تھے.....گیلے تھے.....آنسوؤں سے تر تھے.....صرف ایک آواز آتی تھی.....میرا سعدی.....میرا بیٹا.....

دوسرے کمرے میں موجود زمر اس سب سے بے خبر لیپ ٹاپ آف کر کے اٹھی اور پھر سیل دیکھا۔ قدرے فکرمندی سے اسے کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

''کدھر ہو؟''

''آج تو بہت مس کر رہی ہیں۔ خیریت!'' وہ مسکرا کر بولا تھا۔ غالباً ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گیٹ لاک کرنا ہے۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے کہتی بیڈ کی چادر خواہ مخواہ جھاڑنے لگی۔

''میں سوچ رہا تھا آج ہم ڈنر باہر کریں۔''

''ڈنر کا وقت دو گھنٹے پہلے گزر چکا' فارس غازی۔ اب آپ شریف انسانوں کی طرح گھر تشریف لے آئیے۔''

''فوڈ لی ایور آفٹر ہمارے لئے ۲۴ گھنٹے کھلا ہوتا ہے مادام۔ چابی ہے میرے پاس۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔''

وہ رک گئی۔ ''اس وقت تو نہ کوئی شیف ہوگا نہ بیرا۔ پھر؟''

''شیف آپ بن جائیں گی' بیرا میں بن جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زمر کے لبوں پہ مسکراہٹ آرکی۔

''اگر یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کوکنگ کروں تو گھر آجاؤ۔''

''مجھے معاف کیجئے۔ گھر میں پورے خاندان کے سامنے نہیں میں کوکنگ کروانے والا آپ سے۔ تیار ہو جائیے۔ میں آنے

والا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ' کیا بنواؤ گے مجھ سے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اسٹیک۔ کسی بھی قسم کی۔'' پھر رکا۔'' آپ کو بنانی آتی ہیں نا؟''

''شیور۔ مسئلہ ہی کوئی نہیں۔'' ادھر اس نے فون رکھا' ادھر زمر نے جھٹ گوگل کھولا۔ دو چار ترا کیب کے اسکرین شاٹس لئے' پھر جلدی سے الماری کھولی اور چند ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔ ایک سیاہ سلک کی لمبی قمیض نکالی جس کے گلے پہ ننھے ننھے موتی لگے تھے۔ یہ ٹھیک رہے گی۔ اور جلدی سے تیار ہونے چلی گئی۔

وہ کار باہر گیٹ تک لایا اور سیل نکال کر اسے کال کرنے لگا۔ زمر نے کال کاٹ دی' یعنی وہ آ رہی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا اور دوبارہ سے ان باکس میں موجود وہ پیغام پڑھا۔

''سر' ریسٹورانٹ میں میں نے کسی کو جاتے نہیں دیکھا' لیکن اوپری منزل کی بتی جلی ہوئی ہے۔ شاید وہ لڑکا آ گیا ہے۔'' فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''زمر بی بی' آپ شیف بننے والی کریں' دو بیرے حاضر ہوں گے آپ کے لئے۔'' اور دوسرے بیرے سے ہی اس کی سرپرائز ملاقات کروانے وہ جا رہا تھا۔ وہ کتنی خوش ہوگی' سوچ کر ہی اسے مزہ آ رہا تھا۔

موبائل یکدم زوں زوں کرنے لگا۔ فارس نے دیکھا۔ آبدار کالنگ۔ اس نے کال کاٹ دی۔ پھر ایک پیغام موصول ہوا۔'' کیا آپ اس وقت آ سکتے ہیں میرے پاس؟ پلیز مجھے آپ کی ضرورت ہے۔''

اس کے بعد کالز پہ کالز آنے لگیں۔ اس نے اکتا کر فون ہی سائیلنٹ پہ لگا دیا۔ تبھی گیٹ کھلا اور وہ باہر آتی دکھائی دی۔ سیاہ جھلملاتے لباس میں' گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے ایک طرف آگے کو ڈالے' ناک میں دمکتی سونے کی نتھ پہنے' وہ ایک سادہ مگر بے نیاز مسکراہٹ کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ جب فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' کہنے بغیر نہ رہ سکا۔'' اچھی لگ رہی ہو۔''

''میں بری لگی ہوں کیا کبھی۔'' اس نے شانے اچکائے۔

چڑیل' گھنگریالے بالوں والی ڈائن' سڑی ہوئی پراسیکیوٹر' جیسے وہ تمام القابات فارس کو یاد آئے جو کچہری میں لوگ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے لیکن.... وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔'' تو کوکنگ کریں گی آج آپ میرے لئے۔''

''اگر تم بیر اگری کرو گے' تو ہاں!'' وہ بھی سادگی سے مسکرائی۔ فارس نے سر کو خم دیتے ہوئے ایکسلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور گیئر کو حرکت دی۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

❖❖❖

ترے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے ..... بکھر چلے ہیں ترا انتظار کرتے ہوئے

سبز بیلوں سے ڈھکا مورچال خاموش کھڑا رہ گیا۔ اس کے اندر جاؤ تو ندرت ہنوز نماز والے تخت پہ تھیں' اور وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی' مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ ندرت ابھی تک رو رہی تھیں' بار بار اس کے چہرے اور سر پہ ہاتھ پھیرتیں۔

''بے غیرت نہ ہو تو' یہ بالوں کو کیا کر لیا ہے؟ ناں اتنے دن سے کدھر تھے؟ ماں کا خیال بھی نہیں آیا۔'' کہتے کہتے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''بس مارنا نہیں بھولتیں آپ ندرت بہن۔ شاپنگ کرتے وقت میرے لئے مایونیز لینا بھول جاتی ہیں لیکن۔ اگر پتہ تھا کہ میں نے آنا ہے' تو میں ناشتے میں کیا کھاؤں گا' اتنا تو سوچا ہوتا۔''

''لے آئی ہوں مایونیز' کیسے بھول سکتی تھی!'' وہ اس کی بات کی گہرائی میں گئے بغیر آنسو پونچھتے بتا رہی تھی۔ پھر کار کی آواز آئی تو حنین کی طرف دیکھا۔ سعدی نے انہیں اٹھنے سے روکا۔ ''میں دیکھ چکا ہوں۔ فارس ماموں اور زمر ہیں' باہر گئے ہیں۔ ان کو ابھی نہ بلایئے گا۔ جانے دیں۔''

''اچھا مگر....'' وہ پیر نیچے اتارتیں چپل تلاش کرنے لگیں۔ ''باقی سب کو تو بلاؤ حنین' اسامہ....'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ ان کے ساتھ باہر نکلا۔

اسامہ یوسف اس وقت کٹو بیگم کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اور جمائیاں روکتا اس کو سن رہا تھا جو نہایت جوش و خروش سے بولے جا رہی تھی۔

''تم سوچ نہیں سکتے سیم وہ جو گھر میں نے گوگل پہ دیکھے۔ وہ کوئی عالیشان محل نما گھر نہیں تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر تھے' ان کے باتھ رومز تو ہمارے سے بھی چھوٹے تھے۔ مگر کس طرح ان کو سجایا گیا تھا' الامان۔ میں سمجھتی تھی خوبصورت گھر بڑے گھر ہوتے ہیں مگر مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چھوٹے گھر زیادہ خوبصورت بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر انسان کو سلیقہ آتا ہو۔''

''حنہ صبح اس سلیقے پہ بات کر لیں گے۔ ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''

حنین نے اس کے سر پہ چپت رسید کی۔ ''دو منٹ سکون سے بیٹھ کر میری بات نہیں سن سکتے؟ ابھی سعدی بھائی ہوتا نا تو....'' باہر سے کوئی شور سا بلند ہوا تھا۔ دونوں چونک گئے۔ ابا کی آواز.... ابا کے رونے کی آواز۔ حنین اور اسامہ نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ننگے پیر بستر سے اتر کر باہر بھاگے۔ لاؤنج میں سب موجود تھے۔ ندرت نے صداقت اور حسینہ کو بھی بلوا لیا تھا۔ وسط میں صوفے پہ ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ روتے ہوئے کسی سے گلے مل رہے تھے۔ بول کچھ نہیں پا رہے تھے' بس آنکھیں بند کیے روتے جا رہے تھے۔ ان سے ملنے والا لڑکا سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھا' مسکرا کر ان کے گلے لگ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ بال چھوٹے چھوٹے کٹے تھے' شیو بڑھی ہوئی تھی' اور منہ کا زخم ویسا ہی تھا۔

حنین وہیں جم گئی۔ گویا پتھر کا بت ہو۔ آنکھیں شاک کے عالم میں کھلی رہ گئیں۔ سیم چیخ مارتا تیزی سے بھاگا اور پیچھے سے جا کر سعدی سے لپٹ گیا جو خود ابا سے گلے ملنے کی حالت میں جھکا ہوا تھا۔ سیم کے اس انداز پہ وہ ہنستے ہوئے الگ ہوا اور سیم کو بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لپٹایا۔ صداقت خوشی خوشی پانی لے آیا' کہ ابا کو پلائے۔ حسینہ (جس کو ندرت نے کھانا گرم کرنے کا کہا تھا۔) دوپٹہ دانتوں میں دبائے دلچسپی سے منظر نامہ دیکھنے لگی۔ (ان لوگوں کا بھی ناروز کوئی نیا ڈرامہ ہوتا ہے۔)

ساکت' متحیر' شل سی حنین کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ اور نمی بھی۔

وہ ننگے پاؤں لاؤنج کے ٹھنڈے مرمریں فرش پہ چلنے لگی۔ وہ اب ہنستے ہوئے سیم کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' ابا کو کچھ کہہ رہا تھا۔ (شاید یہ کہ سیم بڑا ہو گیا ہے۔)

حنین قدم اٹھاتی رہی۔

گویا برف کا صحرا تھا جس میں وہ قدم قدم چلتی جا رہی تھی۔

فاصلہ عبور کرتی جا رہی تھی۔

وہ مسافت کتنی طویل تھی.....

وہ مسافت کتنی سرد' کتنی کٹھن تھی۔

اس کے پیر ٹھنڈے ہو کر جمنے لگے تھے مگر وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتی..... آگے بڑھتی گئی۔

صوفے کے کنارے وہ رکی۔ ''بھائی!'' کسی نے اس کی پکار نہیں سنی۔ سیم اور ابا اب خوشی سے (آنسو پونچھتے) بات کر رہے تھے' ندرت کچن میں صداقت کو لیے چلی گئی تھیں۔ صرف سعدی نے گردن اٹھائی' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا جو اس کی پشت پہ کھڑی تھی۔ اس کا کپکپاتا ہاتھ صوفے پہ جما تھا اور مسکراتی متحیر نظریں سعدی پہ۔

''کیسی ہو حنین؟ ٹھیک ہو؟ ابا' سیم کتنا بڑا ہو گیا ہے' کیا یہ اب آپ کی دوا کا خیال رکھتا ہے۔'' وہ دو لفظ اس سے بول کر مڑ کر اپنے ساتھ لگے سیم کی بابت ابا سے مسکرا کر دریافت کرنے لگا۔ جواب میں سیم زور سے اپنی کارکردگی بتانے لگا اور ابا ہنستے ہوئے اس کی تائید کرنے لگے۔ ''یہ میرا تمہاری طرح خیال رکھتا تھا۔''

ایسے میں صرف حسینہ نے محسوس کیا کہ پیچھے کھڑی حنین کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی ہے' اور وہ اسی طرح الجھی' متحیر سی کھڑی رہ گئی ہے۔ صوفے کی پشت پہ رکھا ہاتھ بھی گر گیا ہے اور وہ یک ٹک سعدی کے سر کی پشت کو دیکھ رہی تھی' جس نے دوسری نظر اس کو دیکھا تک نہیں تھا۔

کیا اس لئے پار کیا تھا برف کا صحرا اگر آخر میں سفید مجسمہ ہی بن جانا تھا؟

.....❖❖❖.....

کوئی قیس تھا تو ہوگا' کوئی کون کن تھا' ہوگا ..... مرے رنج مختلف ہیں مجھے ان سے نہ ملاؤ

رات کی سرد' پرسکون خاموشی میں فوڈ لی ایوراٹفٹر کی عمارت بھی ویران پڑی تھی۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ پارکنگ خالی تھی۔ وہ دونوں کچن کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ زمر نے بتی جلائی تو کچن روشنی میں نہا گیا۔ وہ سیاہ لباس پہ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئی تھی۔ اب جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن گھما کر طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''سوتم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کچھ بناؤں۔'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا تو وہ جو کچھ کہنے لگا تھا' فون کی وائبریشن پہ ٹھہرا' اثبات میں سر ہلایا اور فون نکال کر دیکھا۔ آبدار کی 25 مسڈ کالز۔ لیکن ابھی فون حنین کے نام سے جل بجھ رہا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ ''ہاں حنہ' بولو۔'' زمر آستین پیچھے کو موڑتی فریج کی طرف بڑھ گئی تھی اور اسے کھولے جھک کر مختلف اشیاء الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں بھائی کے آنے کا۔'' وہ کچھ ناخوش' الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ فارس بری طرح چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا؟ کیا سعدی نے کچھ کہا ہے؟'' زمر اس نام پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کچھ نہیں کہا' یہی تو غم ہے۔''

''حنین کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ ٹھٹکا۔

''بھائی گھر آ گیا ہے۔ اس وقت وہ لاؤنج میں امی کے ساتھ.....'' فارس نے پوری بات سنے بغیر بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ نیچے گرایا اور ایک دم چہرہ اٹھا کر دروازے کو دیکھنے لگا۔

''اگر وہ وہاں ہے تو یہاں کون ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔ زمر مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا' ساتھ ہی وہ مسلسل چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''تم یہیں رکو۔ میں آتا ہوں۔''

''فارس کیا ہوا ہے؟''

''گارڈ نے مجھے کہا سعدی ادھر ہے مگر..... تم یہیں رکو۔'' وہ برہمی سے کہتا باہر نکلا تو وہ فکرمندی سے پیچھے آئی۔ وہ ریسٹورانٹ کے اندھیرا اور سنسان پڑے لاؤنج میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بریٹا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور تاک کر ادھر ادھر دیکھتا وہ کسی کی تلاش میں تھا۔ اندھیرے میں فارس کا ہیولہ دکھائی دیتا تھا جسے وہ فکرمندی سے دیکھے گئی۔ فارس اوپری ہال کا دروازہ دھیرے سے دھکیلتا اندر جا رہا تھا۔ زمر کھڑی رہی کیونکہ اس نے کہا تھا وہ یہیں رکے۔ اور پھر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس کی گردن کی پشت کو کسی ٹھنڈی چیز نے

چھوا تھا۔ پستول کی نال جیسی ٹھنڈی۔ وہ منجمد ہوگئی۔ مڑ بھی نہ سکی۔

''ہلنا مت ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ پچھلی دفعہ کمر میں ماری تھی' اس دفعہ کھوپڑی کے پار جائے گی۔'' وہ اس آواز کو پہچانتی تھی' صرف پانچ برس قبل اس فون کال پہ نہیں پہچان سکی تھی۔

''اب آہستہ سے مڑو۔'' دوسرا حکم جاری ہوا۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گویا پتھر کے بت کی طرح گھومی۔ دھیرے سے۔ اب اس کے مخاطب کا وجود سامنے آیا۔

کوٹ اور اونی ٹوپی میں ملبوس بڑھی شیو والا کرنل خاور اس کے اوپر پستول تانے اسے گھور رہا تھا۔ زمر نے جواباً اس کو بھی انہی نظروں سے دیکھا۔ پرسکون مگر چبھتی ہوئی نظریں۔

''اب اس کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔'' اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی جو اس نے میز پہ ڈال دی اور ایک کرسی کھینچ کر کچن کے وسط میں رکھی' اسے دوبارہ اشارہ کیا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کے پہریدار کو خرید لیا اور اس کے نمبر سے فارس کو میسج کیا تاکہ وہ ادھر آئے' تم نے اسے سعدی کا جھانسہ دیا؟ ہے نا؟''

''بیٹھ جاؤ ڈی اے۔'' اس نے غرا کر کہا۔ وہ کرسی پہ آ بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ہاتھ بدستور جیبوں میں تھے۔

''اب اس ہتھکڑی کو دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پہنو۔'' اس نے اگلا حکم دیا' ساتھ ہی بار بار دروازے کو دیکھتا گیا۔ وہ نہیں ہلی' بس گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مجھے ترس آتا ہے تم پر۔''

''پہنو زمر صاحبہ!'' وہ گھرک کر بولا۔ زمر نے جواباً جیبوں سے بند مٹھیاں نکال کر ان کو کرسی کے پیچھے لے جا کر ملایا' مگر ہتھکڑی کو نہیں چھوا۔ ''میں اپنے ہاتھوں سے خود کو ہتھکڑی نہیں لگاؤں گی۔ میں دوسروں کو ہتھکڑی لگوایا کرتی ہوں۔''

''لگتا ہے زمر صاحبہ' آپ نے پانچ سال پہلے والے واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھا!'' وہ ہتھکڑی اٹھا کر اس کے پیچھے گیا اور جھک کر اس کے ہاتھ تھامنے چاہے۔ صرف ایک لمحے کے لیے وہ جھکا تھا' صرف ایک لمحے کے لیے..... مگر وہ اٹھ نہیں سکا کیونکہ پیچھے سے اس کے سر پہ پستول کا دستہ زور سے آ لگا تھا۔ نازک حصے پہ لگنے والی چوٹ کے باوجود وہ گرا نہیں' بلکہ اسی پھرتی سے پلٹا اور پوری قوت سے پیچھے کھڑے فارس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ فارس کا توازن بگڑا تو وہ پیچھے کو لڑھکا' لیکن پھر دوبارہ خاور کو گریبان سے پکڑ کر میز پہ کمر کے بل گرایا۔ زمر اب تک اٹھ کر سامنے دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم میری بیوی کے قریب آؤ۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' وہ سرخ بھبوکا چہرہ لیے اس کے سینے پہ دباؤ ڈالے' اس کے منہ پہ زور زور سے مکے مار رہا تھا۔ خاور کو دھندلا سا اپنے اوپر جھکا فارس نظر آ رہا تھا اور پھر اس کے کندھے کے پیچھے آ کر رکتی زمر۔

''بس کرو فارس' وہ مر جائے گا۔'' پھر اندھیرا تھا۔ گناہوں جیسا سیاہ اندھیرا۔

منظر ہنوز دھندلا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ چھت پہ لگا ایک سفید بلب جل رہا تھا۔ اس نے گردن سیدھی کی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا چہرے اور گردن تک نمی سی چپکی ہو۔ شاید اس کا خون تھا۔ اس نے پھر سے آنکھیں جھپکیں۔ کندھے سیدھے کیے۔ تب محسوس ہوا کہ دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار سے بندھے ہیں۔ شاید گیس پائپ کے ساتھ۔ اس نے کلائیاں کھینچیں مگر وہ ہتھکڑیوں میں کسی ہوئی تھیں گویا وہ کسی صلیب پہ کھڑا ہو۔ صلیب کے نشان کی سی صورت بندھا کھڑا ہو۔ بھاری پلکیں اٹھا کر اس نے دیکھا۔

کچن کے دوسرے کونے میں' وہ دونوں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ مرد اور عورت۔ مرد کی اس طرف پشت تھی' اور وہ دونوں ہلکی

جھنجھناہٹ کے ساتھ آپس میں بات کر رہے تھے۔ اس کے مختل ہوئے حواس جاگنے لگے۔ گردن کو دائیں بائیں گھما کر ایکسرسائیز کے انداز میں گویا تازہ دم کیا' پھر آواز لگائی۔ ''مجھے مارنے کے لیے ادھر باندھا ہے کیا؟''

فارس گھوما اور پستول اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا لگتا تھا۔

''ایک لفظ نہ نکالنا منہ سے ورنہ میں واقعی تمہیں گولی مار دوں گا۔''

''اچھا۔'' زخمی چہرے اور سوجی آنکھ والا خاور ہنسا۔ ہنستے ہنستے سر جھٹکا۔ ''تم نے میری زندگی برباد کر دی اور اب یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گا؟''

''ہم نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی۔'' زمر ناگواری سے کہتی دو قدم آگے آئی۔ ''تم نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے کرنل خاور۔''

خاور کی نظریں زمر سے ہوتی فارس تک گئیں۔ ''بیوی کو نہیں بتایا کہ تم نے اور سعدی نے میرے ساتھ کیا کیا؟ آبدار کے ذریعے تم نے اسے پیغام بھجوایا' ہامان کو سولی چڑھا دو۔ وہ کاغذ مجھے اس لڑکے کے سامان سے جلدل گیا تھا۔ پھر سعدی نے زمر صاحبہ میرے اوپر الزام لگایا کہ میں نے اورنگزیب صاحب کو قتل کیا ہے' اور پھر جب وہ مجھے چکما دے کر بھاگ نکلا تو یہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ ایک پارک میں۔ آبدار صاحبہ کے ساتھ۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں دیکھا تھا میں نے تمہیں فارس غازی۔ اور تمہاری ساری گیم سمجھ گیا تھا میں۔

بیوی کو یرغمال بنانے کا تو تم سے اعتراف بھی کرا لیتا۔'' پستول والا ہاتھ زور سے اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ خاور کا چہرہ گھوم گیا۔ کنپٹی سے خون بھل بھل گرنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً سے مسکراتا چہرہ واپس موڑ لیا۔

زمر چونک کر فارس کو دیکھنے لگ گئی۔ یہ انکشاف اس کے لیے نئے تھے۔

''میرا آدمی کہاں ہے؟ تم کس ارادے سے یہاں آئے تھے؟'' اس پر پستول تانے وہ غرا کر پوچھ رہا تھا۔

''اسے کہیں جھاڑیوں میں مارگرایا تھا' وہیں پڑا ہوگا۔ مگر ظاہر ہے پہلے اس سے میسیج کروایا تھا۔ میں چاہتا تھا تم پورے خاندان کے ساتھ آؤ اور ہم تمہارے کسی بوڑھے یا بچے کو درمیان میں رکھ کر بات کریں۔ تم کیس تک واپس لے لیتے اگر میں آج یہ کر لیتا۔''

فارس نے جواب نہیں دیا۔ وہ بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ زمر جو پہلے اچنبھے سے فارس کو دیکھ رہی تھی' اب اس کے چہرے پہ تشویش پھیلنے لگی۔ ''فارس۔'' اس نے دھیرے سے پکارا مگر وہ اسی طرح خاور پہ نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

''تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟ کیوں آئے تھے تم یہاں اس وقت؟''

''تمہیں کمپرومائزنگ پوزیشن میں لانا چاہتا تھا' لیکن بونس کے طور پہ مجھے کیا ملا؟'' اس نے لال انگارہ آنکھوں کا رخ زمر کی طرف پھیرا۔ ''مسز زمر کے تمام ڈاکومنٹس جو اوپر فائلز میں لگے پڑے ہیں۔ ہاشم کے لیپ ٹاپ کی فائلز۔ اب مجھے صرف جا کر ہاشم کو یہ بتانا ہے اور وہ ان ڈاکومنٹس کا توڑ کر لے گا۔''

''یہ تب ہوگا جب تم زندہ یہاں سے جاؤ گے۔'' فارس کی اس پہ گڑی آنکھوں میں مزید سرخی اترنے لگی۔ وہ بنا پلک جھپکے' بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے بالکل بدلا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا' کان سرخ تھے' اور اندر سے گویا کوئی آگ نکل رہی تھی۔

''فارس۔'' اس کے قریب کھڑی زمر نے بے چینی سے پکارا۔ ''ظاہر ہے وہ زندہ یہاں سے جائے گا۔ اس کو جانے دو۔''

''نہیں۔'' اس پہ نظریں جمائے فارس غازی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ زمر کی رنگت فق ہوئی۔ البتہ خاور کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔

''تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں زندہ ہوں؟ میں تو غازی اسی دن مر گیا تھا جب بازار میں میرے دو بیٹوں کو گولیاں ماری گئی تھیں۔ یہ اتنے برس میں زندہ تو نہیں تھا۔''

''خاور پلیز چپ ہو جاؤ۔'' زمر نے بات کاٹی مگر اسے کوئی نہیں سن رہا تھا۔

''مارنا چاہتے ہو مجھے؟ چلو آؤ مارو مجھے۔'' دیوار سے بندھے خاور نے سر کے اشارے سے گویا اسے چیلنج کیا۔ فارس پستول اس پہ تانے دو قدم آگے بڑھا۔ زمر احتیاط سے اس کے ذرا قریب آئی۔ ''فارس اس کو جانے دو۔''

''تمہیں مجھے مارہی دینا چاہیے، کیونکہ ہاشم کے بغیر میری کوئی زندگی نہیں ہے۔ تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا، اب زندگی بھی لے لو۔ آؤ نا غازی۔ مار دو مجھے۔ چلاؤ گولی۔''

''فارس اس کی بات مت سنو۔ اس کو جانے دو۔'' زمر نے بے چینی سے پکارا۔

''تمہارے بھائی کو میں نے اپنے انہی ہاتھوں سے مارا تھا، ایسے ہی باندھ کر۔'' وہ اپنی کسی ہوئی مٹھیاں بھینچ کر بتا رہا تھا۔

''میرے بھائی کا نام مت لو۔'' وہ آنکھیں اس پہ مرکوز کیے غرایا۔

''کیوں نہ لوں؟' خاور تلخی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے۔ تم مجھے اور ہاشم کو قتل کرنا چاہتے تھے نا۔ لو اب کر لو۔''

فارس کو وہ اپنے سامنے دیوار سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ اس منظر میں سرخی بھی تھی، دھندلاہٹ بھی۔ اور اس منظر میں چند دوسرے مناظر بھی ابھر ابھر رہے تھے۔ پنکھے سے لاش جھول رہی تھی جسے وہ دوڑ کر پیروں سے پکڑ رہا تھا..... دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ایک کفن میں لپٹے شخص کے سرہانے رو رہی تھیں، ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں.....

''گولی چلا دو غازی۔ بدلہ لو اپنے بھائی کا۔ زرتاشہ کا۔ زمر کا۔ سعدی کا۔ لو مجھ سے بدلہ۔ جیسے میں نے لیا تھا۔ جب اس بریگیڈیئر اور اس کے پورے خاندان کو مار ڈالا تھا۔ تب میں وہ بنا تھا جو آج میں ہوں۔ اور آج تم میرے جیسے بنو گے۔''

فارس کا منظر ویسا ہی تھا۔ سرخ دھندلا سا۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پہ سفید چہرہ لیے بند آنکھوں اور سیاہ بالوں والی لڑکی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے، چہرہ شکستگی کے عالم میں جھکائے ہوئے تھا۔ اس لڑکی کا ہاتھ بہت ٹھنڈا اور بے جان تھا۔

''چلاؤ گولی۔ مار دو مجھے۔''

''فارس، اس کی مت سنو۔ یہ تمہارے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا ہے۔'' وہ فکرمندی سے کہتی اس کے مزید قریب آئی۔ ایک ایک قدم احتیاط سے رکھتی تھی۔ ''تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس کی جان نہیں لو گے۔ تم قاتل نہیں ہو فارس۔''

فارس نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح خاور پہ نگاہیں تانے رہا۔ خاور نے ہلکے سے ہنس کر سر جھٹکا۔ 'مجھے معلوم تھا تم مجھے نہیں مارو گے۔ چلو مجھے غلط ثابت کرو۔ چلو مجھے جہنم میں پہنچا دو۔ ہمت ہے؟ غیرت ہے؟ ہے یا نہیں فارس غازی؟ مرد بنو!'' وہ غرایا تھا۔

فارس کا نفس تیز ہونے لگا۔ آنکھوں کی تپش شراروں میں بدلنے لگی۔

''فارس اس کی بات مت سنو۔ یہ قاتل ہے۔ اس کی زندگی بے کار ہو چکی ہے اس لیے چاہتا ہے تم اس جیسے بن کر جیل چلے جاؤ۔ فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔ میری بات سنو۔ فارس میری بات سنو۔'' وہ اس سے التجا کر رہی تھی۔ وہ پانچ سال پیچھے چلی گئی تھی اور وہ فون پہ فارس سے بات کر رہی تھی۔ زمان و مکان کی حدود آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

''مجھے ایک گولی مارو فارس..... دل میں۔'' وہ اسے اکسا رہا تھا۔ وہ تینوں ہمیشہ سے اس تکون میں تھے۔ پانچ سال سے وہ اس تکون میں قید تھے۔ آج وہ تکون پھر سے واپس آ گئی تھی۔

''فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔'' آنسو زمر کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔ وہ اس سے تین قدم دور کھڑی اس کی منت کر رہی تھی۔

''اگر تم نے اسے مار دیا تو تم اس جیسے بن جاؤ گے۔ تم قاتل بن جاؤ گے۔ تم اپنی معصومیت کھو دو گے۔ نہیں ہو تم کافر..... ماکر..... کاذب.....

قاتل۔نہیں ہوتم مجرم۔تم بے گناہ تھے،لیکن اگر اس کو مارا تو نہیں رہو گے۔''

''اس نے.....'' وہ بولا تو آواز عجیب غراہٹ کی صورت حلق سے نکلی۔''میرے بھائی.....اور میری بیوی کو مارا.....میں انہیں نہیں بچا سکا.....اس نے.....انہیں مارا۔'' پستول مزید تان لی۔اس کا پستول والا ہاتھ پسینے میں شرابور تھا۔

''مگر تم اس کی جان نہیں لے سکتے فارس۔سرکار جان لے سکتی ہے،شہری نہیں۔یہ حق دفاع نہیں ہوگا کیونکہ یہ آدمی تمہیں مارنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔یہ کسی دوسرے کی جان بچانے کے لیے بھی نہیں ہوگا۔یہ ''مارنا'' نہیں ہوگا۔یہ ''قتل کرنا'' ہوگا۔کولڈ بلڈ میں قتل۔یہ جرم ہے۔یہ گناہ ہے۔فارس پلیز تم اس کو جانے دو۔میری بات سنو۔'' وہ پانچ سال پہلے کی طرح اس کی منت کر رہی تھی۔آنسو اس کے گالوں پہ بدستور پھسل رہے تھے۔

''رک کیوں رہے ہو فارس غازی؟ مارو مجھے۔چلاؤ گولی۔مرد بنو۔''

وہ دیوار سے بندھا شخص نفرت سے اسے دیکھتا پکار رہا تھا۔اکسا رہا تھا۔فارس کی گرفت ٹریگر پہ مضبوط ہوئی۔

''مجھے.....بدلہ لینا ہے.....اپنے بھائی کا.....اپنی بیوی کا.....''

''میری بات سنو فارس.....'' وہ ملتجی سی کہہ رہی تھی۔''تم اس کو نہیں مارو گے۔تم اس جیسے نہیں بنو گے۔تم نے اسے مارا تو یہ جیت جائے گا۔اس کے پاس چوائس تھی برسوں پہلے۔یہ چاہتا تو نہ مارتا اپنے بچوں کے قاتل کو،مگر اس نے مار دیا۔یہ تب ایسا بن گیا۔یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس کے پاس چوائس نہیں تھی۔یہ پرسکون ہو کر مرنا چاہتا ہے۔تم اس کو وہ سکون مت دو۔ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔تم سن رہے ہو فارس؟'' وہ درد سے چلا کر بولی تھی۔''تم خدا نہیں ہو۔تم قصاص مانگ سکتے ہو۔تم انتقام نہیں لے سکتے۔تم خون کا انتقام نہیں لے سکتے۔تم انسان ہو۔انتقام میں تم اس کی زندگی تباہ کرو،اس کی پراپرٹی کو آگ لگاؤ،اس کی عزت کو نقصان پہنچاؤ،تم یہ سب کر سکتے ہو،مگر کسی کی جان لینا.....وہ لکیر پار کر لینا.....یہ غلط ہے۔تم یہ نہیں کرو گے۔''

''مرد بنو فارس غازی.....'' وہ بھی مسلسل اس کو استہزائیہ انداز میں دیکھتا اکسا رہا تھا۔فارس دانت ایک دوسرے پہ جمائے،اسے گھورتے ہوئے اس پہ پستول تانے کھڑا رہا۔کھڑا رہا۔کھڑا رہا۔یہاں تک کہ زمر کا دل ڈوبنے لگا۔وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی مگر ایک بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی تھی کہ کہیں وہ کچھ کر نہ ڈالے۔

''کلک.....کلک.....'' سائیلنسر لگے پستول کا ٹریگر فارس نے ایک دم دبایا۔یکے بعد دیگرے.....دو گولیاں.....زمر کا دل بند ہوا.....خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔مگر ایک جھٹکے سے اس کی ہتھکڑی ٹوٹی اور بازو نیچے گرے تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

فارس نے پستول شکستگی سے جھکا لیا تھا۔اس نے گولیاں اس کی ہتھکڑیوں سے لگی زنجیر پہ ماری تھیں۔

''میں تمہیں نہیں ماروں گا کرنل خاور۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔''اس لیے نہیں کہ میں نے تمہیں معاف کیا،میں قیامت تک تمہیں معاف نہیں کروں گا۔مگر اس لیے کہ میں.....قاتل.....نہیں ہوں۔میں خدا نہیں ہوں۔''

خاور کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔اس کے بازو واپس پہلو میں گر چکے تھے مگر وہ چند لمحے شل سا کھڑا رہا۔زمر آنکھیں رگڑتی گہرے گہرے سانس لیتی خود کو پرسکون کرنے لگی مگر آنسو ابل ابل آ رہے تھے۔

''تمہارے پاس چوائس تھی خاور۔تب بھی تھی۔میں اور تم.....برابر نہیں ہیں۔'' نفرت سے اسے دیکھ کر وہ بولا تھا۔خاور کا چہرہ سیاہ پڑنے لگا گویا وہ گل سڑ رہا ہو۔

''تم چاہتے تو قاتل نہ بنتے۔تم اپنے بچوں یا ہاشم کے لیے قاتل نہیں بنے۔تم اپنی وجہ سے قاتل بنے تھے۔مگر میں قاتل نہیں بنوں گا۔اب تم جا سکتے ہو۔'' کہنے کے ساتھ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا۔

خاور نے ایک ہاتھ سے دوسرے کی کلائی دباتے ہوئے' شل نظروں سے اسے دیکھتے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر دھیرے سے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ اس کا پستول اندر تھا۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ دروازے تک پہنچ کر وہ پستول نکال کر ایک دم گھوما اور اسے زمر کی طرف تان کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک دو تین چار..... محض کلک کلک کی آواز سنائی دی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا' نہ گولی چلی۔ خاور نے جھلا کر اپنے خالی پستول کو دیکھا۔

فارس نے دوسری جیب میں مٹھی ڈال کر باہر نکالی اور پھیلائی۔ اس میں خاور کے پستول کی چند گولیاں تھیں۔ خاور کے چہرے پہ شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔

''بھاگ جاؤ' اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل ڈالوں۔''

خاور نے تلملا کر دروازہ کھولا۔ ''میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔'' اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

زمر اسی طرح کھڑی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز آتی تھی۔ وہ اسے دیکھے بنا' میز پہ ہاتھ رکھے' آہستہ سے..... شکستہ ساز مین پہ بیٹھا..... اکڑوں حالت میں..... کمر کرسی کی ٹانگوں سے لگائی۔ تھوڑی جھک کر سینے سے آملی۔ وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''میں بزدل نکلا۔ میں اسے نہیں مار سکا۔'' وہ سر جھکا کر نفی میں ہلاتا کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ زمر نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا' فارس کی جھکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر فرش پہ گر رہے تھے۔

''میں اپنے بھائی کا اپنی بیوی کا تمہارا..... بدلہ نہیں لے سکا..... میں بزدل نکلا..... میں گولی نہیں چلا سکا۔'' وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ تب زمر نے دیکھا' اس کی کنپٹی کے قریب..... خاور کے مکے کے باعث..... جلد پھٹ گئی تھی اور ذرا سا خون رس رس کر جمنے لگا تھا۔ کان تک خون کی لکیر آ رہی تھی۔ اس نے میز پہ رکھے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچا اور اس کے قریب زمین پہ بیٹھی۔

''آئی ایم سوسوری فارس۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولتی ٹشو اس کے زخم سے مس کرنے لگی۔ ''زرتاشہ کو مارنے کی ذمہ دار میں بھی ہوں۔ مجھے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا اسے لے کر..... مجھے اس کی جان بچانی چاہیے تھی مگر میں سمجھی تھی فارس..... کہ میں تمہاری جان بچا رہی ہوں..... تمہاری روح کو..... تمہارے دل کو بچا رہی ہوں۔'' اس کا زخم صاف کرتے ہوئے وہ بولتی جا رہی تھی۔ ''آئی ایم سوسوری۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں نے بہت غلط کیا۔'' فارس کا سر ہنوز جھکا تھا۔ اس کے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

''میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ تمہیں اتنا نقصان پہنچایا۔ میں خود غرض ہو گئی تھی۔ یا مجھے لگا تھا میں انصاف کے لئے کر رہی ہوں یہ سب۔ مگر فارس..... میں چاہتی تھی تم اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں پا لو..... تاکہ تم خود کو کریکٹ کر لو..... اپنی اصلاح کر لو..... تم میرے لئے اہم تھے' ہمیشہ اہم تھے..... تب ہی میں نے زرتاشہ کی جگہ تمہیں بچانا چاہا۔ تمہارے دل کا سوچا۔ آئی ایم سوسوری۔'' وہ اس کا خون ٹشو سے نرمی سے صاف کرتی بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتی' کہہ رہی تھی۔ فارس نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

''میں نے چار سال جیل میں گزارے..... اس آدمی کی وجہ سے..... اور میں اس کو نہیں مار سکا۔'' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوسوری۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔'' وہ اس کے بہے خون کو ہلکا ہلکا ٹشو سے رگڑ کر صاف کرتی کہے جا رہی تھی۔ ''تم میرے لئے ہمیشہ سے اہم تھے۔ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تم کبھی کسی کو قتل نہیں کرو گے فارس۔''

فارس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے زرتاشہ سے محبت تھی اور میں اس کے لیے قتل تک کرنا چاہتا تھا!'' آج اسے پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔

''اور زرتاشہ کبھی نہیں چاہے گی کہ تم جیل جاؤ اس کا بدلہ لینے کی پاداش میں۔ زرتاشہ چاہے گی کہ تم خوش رہو' اپنی زندگی شروع کرو۔''

''میرے سامنے وہ تھا.... میرا مجرم اور میں اس کی جان نہیں لے سکا۔ میں بزدل نکلا۔''

زمر نے نفی میں گیلا چہرہ دائیں بائیں ہلایا۔''تم مسلمان ہو۔تم نے خدا بننے کی کوشش نہیں کی۔تم بہادر ہو' تم نے انسانیت دکھائی۔''

فارس نے ناک سے گیلا سانس کھینچتے کرسی کی ٹانگ سے سر ٹکا دیا اور نگاہیں اوپر اٹھائیں۔''میں خدا نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ میں خدا نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا تھا' اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔''

''ہم اپنا انتقام اللہ پہ چھوڑتے ہیں فارس۔ ہم انصاف کے لئے لڑیں گے مگر انتقام کے لئے نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو اب کسی کو مارنے کا نہیں سوچو گے۔'' وہ اس کے خون اور بالوں کو نرمی سے ٹشو سے صاف کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

''نہیں سوچوں گا۔''

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ کسی بھی صورت نہیں۔ آئی لو یو سو مچ۔ آئی رئیلی ڈو۔ تم بہت اچھے ہو۔'' وہ ابھی تک بے مقصد اس کے زخم پہ ٹشو پھیر رہی تھی۔ وہ تکان بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے لب ایک ہی سطر بڑبڑا رہے تھے۔''میں خدا نہیں بننا چاہتا۔ میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا۔''

اور وہ بے آواز آنسو بہاتی اس کا زخم ابھی تک صاف کرتی دہرائے جا رہی تھی۔''آئی لو یو سو مچ۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی.....''

سرد رات باہر قطرہ قطرہ جمتی رہی..... پگھلتی رہی..... جم کر پگھلتی رہی.... ٹوٹا ہوا چاند بادلوں میں تیرتا رہا.....

❖❖❖

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن ..... خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اس ٹوٹے چاند تلے.... زمین پہ بنے مورچال کے لاؤنج میں جتنی گہما گہمی تھی' اس کے اس بیڈ روم میں اتنا ہی سناٹا تھا۔ حنین مدھم نائٹ بلب جلائے بستر پہ یوں بیٹھی تھی کہ پیر زمین پہ لٹکے تھے اور ہاتھ گود میں تھے۔ چہرہ ویران اور آنکھوں میں شل سا تاثر تھا۔ وہ یک ٹک بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ جب دروازہ دھیرے سے کھلا۔ اندھیرے میں بیٹھی حنہ نے چہرہ اٹھایا۔ باہر روشنی میں نہائے دروازے سے سعدی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں فون اور چارجر تھا۔

''یہ کہاں لگے گا؟ تھری پن ہے۔'' اس نے نگاہیں ملائے بغیر سوال پوچھا۔ پھر خود ہی دیوار پہ ادھر ادھر دیکھا۔ تھری پن ساکٹ نظر آیا تو آگے بڑھا' جھک کر چارجر لگایا' اور فون وہیں زمین پہ رکھ دیا۔ پھر جانے کو مڑا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولی۔ سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔ مگر مڑا نہیں۔

''میں نے آپ کا آٹھ ماہ انتظار کیا' لیکن آپ.... آپ کو مجھے دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔'' اس نے ہچکی لی۔ شدتِ غم سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

سعدی دھیرے سے پلٹا۔ اس کے چہرے پہ اب برہمی تھی۔

''اور ان آٹھ ماہ تمہارے نام سے مجھے کتنی اذیت ملی' اس کا احساس ہے تمہیں؟'' وہ گھرک کر بولا تھا۔''تم نے چیٹنگ کی' میں نے تمہیں معاف کر دیا' تم نے ہاشم کو کالج بلایا' میں تمہاری اور زمر کی باتوں میں آ گیا اور اس کو بھی جانے دیا مگر کیا میں نے بکواس نہیں کی تھی کہ تم اس سے کبھی بات نہیں کرو گی۔ اس کو کبھی نہیں بلاؤ گی۔ پھر بھی تم نے وہی کیا حنین یوسف۔'' اس کی آواز دبی دبی غراہٹ میں بدل گئی۔ حنین پتھر ہو گئی۔ باتھ روم کے دروازے کی کنڈی کھلی اور سیم باہر نکلا۔ حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تم نے اس سے تعلق رکھا۔ مجھے سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مگر تمہیں کوئی خیال نہیں آیا۔ اپنے بھائی کی عزت کا کوئی خیال نہیں کیا تم نے۔ وہ تمہارا نام لے کر کیا کیا باتیں کرتا تھا میرے سامنے.... میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ تم نے مجھے آٹھ ماہ میں کتنی اذیت دی ہے'

تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے میرا سر کتنی دفعہ جھکا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا کہ تم آؤ گی اور میں جانتا تھا کہ تم نہیں جاؤ گی' لیکن تمہارے نہ جانے سے تمہارے اتنے عرصے کی خطائیں مٹ نہیں گئیں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اور میں فارس ماموں سے بھی پوچھوں گا کہ انہوں نے تمہارا خیال کیوں نہیں رکھا۔ میں امی سے بھی پوچھوں گا کہ وہ کدھر تھیں جب تم اس سے بات کرتی تھیں۔'' بولتے بولتے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ سیم پہلے تو ساکت ہو گیا' پھر ایک دم سامنے آیا۔

''ایسے بات مت کریں۔'' مگر سعدی نے نہیں سنا' وہ شل ہوئی حنین کی طرف انگلی اٹھا کر اسی برہمی سے بولا۔ ''میں زمر سے بھی پوچھوں گا کہ.....''

''میں نے کہا' میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔'' اسامہ ایک دم سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا یوں کہ بیڈ پہ بیٹھی حنین چھپ گئی۔ سعدی کی انگلی فضا میں اٹھی رہ گئی۔ اس نے دیکھا دبلے پتلے اسامہ کا قد اس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی ویسے ہی سرخی تھی۔

''سیم' تم یہاں سے جاؤ۔''

''میں نے کہا بھائی' انگلی نیچے کریں۔'' وہ دانت پہ دانت جمائے غرا کر بولا تھا۔ سعدی کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ماتھے کی تیوریاں ڈھیلی ہوئیں۔

''میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔ آپ آٹھ ماہ بعد آ کر یوں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟ صرف آپ نے تکلیف اٹھائی ہے؟ ہم سب خوش تھے؟ ہم نے بھی تکلیف اٹھائی ہے۔ ہم نے بھی اذیت کاٹی ہے۔ اور میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ سنا آپ نے۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں سب جانتا ہوں۔ آپ اس طرح میری بہن سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ ''آپ ہمارے ساتھ اس رات نہیں تھے جب پولیس فارس ماموں کو پکڑ کر لے گئی تھی۔ آپ کو پتہ ہے وہ رات کیسی تھی؟ زمر نے مجھے کہا تھا کہ اب میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں۔ اور اس رات میں ہاشم کے کمرے کی بالکونی کا شیشہ بجا تا رہا تھا'؟ میں اس شخص سے مدد مانگنے گیا تھا بھائی جو ہمارا دشمن تھا۔ میں اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلانے گیا تھا۔ اس رات زمر اور حنہ کی ساری باتیں میں نے سن لی تھیں۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ اس رات نے میرے ساتھ کیا کیا۔ ہم نے ڈھائی تین ماہ ماموں کے بغیر گزارے۔ تب میں گھر کا بڑا مرد تھا۔ اور میں جانتا ہوں' میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ میری بہن فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھتی۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ آ کر ہمیں یوں جج کریں۔ اور اگر آپ نے اسی طرح ہم سے بات کرنی تھی' تو اس سے بہتر تھا کہ آپ واپس نہ آتے۔''

سعدی کا ہاتھ واپس پہلو میں جا گرا۔ وہ بس سیم کو دیکھے گیا۔

پرندے بڑے ہو چکے تھے' ان کے ننھے پر' پرواز کا ہنر سیکھ چکے تھے۔ اور اب تک وہ جانے کتنے آسمانوں کا چکر کاٹ آئے تھے' سمندر میں گرے شخص کو کیا پتہ چلنا تھا۔ وہ جن کو پل پل سعدی کی ضرورت رہتی تھی' کوئی مسئلہ ہو تو وہ سائیکاٹرسٹ بن جاتا تھا' پڑھنا ہو تو ٹیوٹر' کہیں جانا ہو تو ڈرائیور۔ اب انہیں اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ سیم آنکھیں رگڑتا فوراً پیچھے بیڈ پہ بیٹھی شل بے آواز روتی حنہ کے پاس آیا۔

''تم روؤ نہیں حنہ۔ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم سے یوں بات کریں۔''

حنین نے آنسو گراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ فارس ماموں کو بتا دیں گے۔ میں نے پہلے ابو کو کھویا' پھر وارث ماموں کو' پھر بھائی کو' پھر ہاشم کو..... میں ہر اس مرد کو کھو دیتی ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔ میں فارس ماموں کو بھی کھو دوں گی۔ وہ مجھ سے نفرت کریں گے۔''

''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں حنہ..... باقی سب تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم روؤ نہیں۔ میں تمہارا

بھائی ہوں۔صرف میں تمہارا بھائی ہوں۔'' وہ مسلسل اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا' اور حنین چہرہ چھکائے روئے جا رہی تھی۔اسے نہیں پتہ تھا وہ بھائی کو یہ سب بتاتا ہوگا۔وہ اس تاریکی سے اب کیسے نکلے گی؟

.....❖❖❖.....

میں تو بے حس ہوں مجھے درد کا احساس نہیں ..... چارہ گر کیوں روشِ چارہ گری بھول گئے

صبح ابھی دھندآلود تھی....نومولد اور تازہ جب فارس کی آنکھ کھلی۔وہ چونک کر سیدھا ہوا۔پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ وہیں کچن کے فرش پہ کرسی سے ٹیک لگائے سو گیا تھا شاید۔کب کیسے' کچھ علم نہ تھا۔سر تھا کہ درد سے پھٹ رہا تھا اور کمر تختہ بن چکی تھی۔وہ کراہتا ہوا اٹھا۔جوتے پہنے ہوئے تھے سو پیر درد کر رہے تھے۔صرف دل ہلکا تھا۔

زمرچولہے کے ساتھ کھڑی تھی۔آستین اوپر چڑھائے وہ کچھ بنا رہی تھی۔مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔''اٹھ جاؤ۔میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔''

وہ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑتا اس تک آیا۔ایک نظر اس کے پھیلاوے کو دیکھا۔''میں اتنی دیر کیسے سوتا رہا؟''

''کیونکہ برسوں بعد تمہارے دل کو سکون ملا ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ہاتھوں سے تیزی سے انڈے پھینٹ رہی تھی۔فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔پھر کھڑکی کو دیکھا جس کے پار گہری نیلاہٹ تھی۔

''میں مسجد جا رہا ہوں' تم ناشتہ بناؤ۔میں اپنی پرانی روٹین پہ واپس آنا چاہتا ہوں اب۔'' وہ ہلکے دل اور ہلکے کندھوں کے ساتھ طمانیت سے بولا تو زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔''کیونکہ تم جان گئے ہو کہ تم خدا نہیں ہو۔خدا کوئی اور ہے۔''

''درست!'' سر کو خم دے کر وہ جانے لگا۔پھر ٹھہر گیا۔''تم نے ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے کبھی نہیں ٹوکا نماز نہ پڑھنے پر۔ویسے یہ تمہارا فرض تھا کہ تم مجھے ٹوکتیں۔مجھے احساس دلاتیں۔''

''فارس!'' وہ کانٹا رکھ کر اس کی طرف گھومی۔''سات سال کے' دس اور بارہ سال کے بچے کو ٹوکا جاتا ہے' مارا جاتا ہے' گھر سے نکالا جاتا ہے' نماز نہ پڑھنے پر.... بالغ مسلمان کو نہیں ٹوکا جاتا۔اس کے سامنے نماز پڑھنا ہی اس کو نماز کی نصیحت کرنا ہے۔پتہ ہے کیا فارس' ہمارے گھر میں ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو نماز نہیں پڑھتا یا وہ غیبت کرتا ہے' یا کسی ایسی برائی میں ملوث ہوتا ہے جس سے ہم اسے نکالنا چاہتے ہیں مگر ہزار جتن کر کے' نصیحت کر کے' لیکچر دے کر' سمجھا کر' غصہ کر کے اس کے لئے دعا کر کے بھی ہم اس کو نکال نہیں پاتے اس اندھیرے سے۔اس کی اصلاح نہیں کر پاتے۔اور یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس کا کیا بنے گا۔یہ تو جہنم میں جائے گا۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ توجہ سے اسے سن رہا تھا۔

''تو پھر ہم اسے کیسے اس برائی سے نکالیں؟''

''ہم یہ جان لیں کہ وہ اپنی نہیں ''ہماری'' آزمائش ہے۔اس کی تو بخشش بڑے آرام سے ہو جائے گی کیونکہ اس کا دل تو کچھ عرصے کے لئے اللہ نے نیکی کی طرف سے بند کر رکھا ہے ہمیں آزمانے کے لئے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔اس نے تو نہیں پڑھ رکھی تفسیر' اس نے تو ہماری طرح حدیث کی کتابیں گھول کر نہیں پی ہوئیں' ہر وقت اس کی بخشش کی فکر نہیں کرنی چاہیے ہمیں۔ہم کیا کرتے ہیں' یہ اہم ہے۔تمہیں پتہ ہے ہمیں ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیے؟ جو خوبی اس میں دیکھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اندر ڈال لیں اور Excellence کے لیول پہ اسے اپنا لیں۔وہ نماز نہیں پڑھتا تو ہم اپنی نماز کو خوبصورت بناتے چلے جائیں۔اس کو دکھانے کے لئے نہیں' بلکہ اللہ کو دکھانے کے لئے کہ اللہ یہ ہے وہ پرفیکشن کا لیول جو میں اس کی عبادت میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔اس کو ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔جس پہ الفاظ اثر نہ کریں' اسے عمل سے نصیحت کرنی چاہیے۔اب جاؤ۔''

قصرِ کاردار میں ہاشم ابھی بستر میں نرم گرم کمبل میں لپٹا' چائے پیتے ہوئے موبائل پہ نیوز ہیڈ لائنز دیکھ رہا تھا جب دروازہ زور سے کھٹکا۔ اس نے ناگواری سے چہرہ اوپر اٹھایا۔ پھر کمبل اتارتا نیچے اترا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں موجود تھا اور اس طرح کسی کے مخل ہونے پہ موڈ بگڑ چکا تھا۔ بے زاری سے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے احمر کو دیکھ کر تاثرات مزید بگڑے۔

''تمہیں کس نے اجازت دی کہ.....''

''آپ نے کہا تھا سر کہ مجھے آپ کا اعتماد کمانا ہے۔ میں اسے کما سکتا ہوں۔ میرا کیریئر' میری آزادی' سب کچھ اس جاب سے جڑی ہے۔ میں اس کو نہیں چھوڑنا چاہتا سو میری بات سنیں۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا۔ ''میں کچھ ایسا جانتا ہوں جو یوسفز کو کبھی آپ کے خلاف اٹھنے نہیں دے گا۔''

''ہاشم کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''مثلاً؟''

''مثلاً!'' احمر نے بھاری دل کے ساتھ گہری سانس لی۔ ''سعدی یوسف کی بہن.....حنین.....اس نے بورڈ ایگزام میں اوسی پی صاحب کو بلیک میل کر کے پیپرز لیک کروائے تھے۔ میرے پاس تمام ثبوت ہیں۔ آپ ان کو رکھیں فارس کے سامنے' اور اسے آفر دیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چمک اتری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''مجھے نو بجے آفس میں ملو۔ تم واپس جاب پہ آ چکے ہو' لیکن آئندہ اتنی صبح آ کر میرا دروازہ مت کھٹکھٹانا۔'' اور دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے سیڑھیاں اترنے لگا۔ دل بہت بھاری ہو چکا تھا۔

فارس مسجد سے واپسی پہ تازہ دم صبح سڑک کنارے چلتا آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ دل اور کندھے بوجھ سے آزاد تھے۔ بہت عرصے بعد اپنا آپ انسان لگا تھا جو کسی کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

چلتے چلتے اس نے موبائل جیب سے نکالا۔ رات بھر وہ سائیلنٹ رہا تھا اور کالز اور میسجز کی بھرمار تھی۔ آبدار کی کالز سرِ فہرست تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال بیک کی اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو!'' مردانہ آواز دوسری ہی گھنٹی پہ سنائی دی۔ فارس ٹھہر گیا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کون؟''

''تم مجھے بتاؤ تم کون ہو؟'' جواب میں غصیلہ لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون جس کو میری بیٹی نے پینتالیس دفعہ کال کی اور تم نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔''

''آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ آبدار ٹھیک ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ چند ثانیے کی خاموشی دوسری طرف چھائی رہی۔

''میری بیٹی نے.....فارس غازی.....کل رات خودکشی کر لی ہے۔ وہ اس وقت آئی سی یو میں ہے۔''

''کدھر؟ کون سے ہاسپٹل میں؟'' وہ کار کی چابیاں نکالتے ہوئے آگے کو بھاگا تھا۔

فوڈلی ایور آفٹر کے تنہا پڑے لاؤنج میں زمرمیز پہ ناشتہ سجائے' بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

باب 24:

ٹوٹے تارے جیسا دل

میں نے دیا تمہیں سورج!
مگر چاہا تم نے چاند!
جب چاند دیا تم کو
تم نے مانگے ستارے
تو میں اندھا دھند پہنچی
لامحدود ستاروں کی کہکشاں میں
اور خود کو لپیٹا
ہر اک ستارے کے گرد
صرف تمہارے لیے
ستارے، چاند اور سورج باہم بھی
تمہارے متلون دل کے لیے کافی نہ ہو پائے
سو میں نے اٹھائے اپنے آنسو
اور تمہیں بنا دیا ایک سمندر
تاکہ تم زمین پہ بادگیری کرتے چلو
اور اس ناممکن خزانے کو کھوج نکالو
جس کی تمہیں مستقل تلاش ہے
البتہ ضرور ہر صبح....
میرا سورج تم کو بیدار کرنے کے لیے موجود ہوگا
ہر رات میرا چاند حاضر ہوگا
تمہاری تشفی کے لیے

اور اگر کبھی تمہیں ہو میری طلب
تو دیکھنا ستاروں کے درمیان
ہر ایک تارے کے گرد لپٹی
میں وہیں ٹھہری ہوئی ملوں گی!

Mirtha Michelle Castro Marmol

صبح دھیرے دھیرے فوڈ لی ایور آفٹر کے گرد دھند لکے تانے جا رہی تھی۔ ٹھنڈا ہوا ناشتہ یونہی ڈھکا رکھا تھا اور زمر یوسف بازو میز پہ بچھائے' سر ان پہ ٹکائے' سو رہی تھی۔ دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ پھر وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور نیند سے بھری آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ بیرونی دروازہ کھول کر جنید اندر داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ رکا۔ آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''آپ؟ اس وقت؟'' اس نے گھڑی کی بجائے مڑ کر آسمان کے رنگ کو دیکھا۔ وہ بال کانوں کے پیچھے اڑستی الجھی الجھی سی اپنا سیل فون اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ ''فارس نظر آیا کہیں جنید؟''

''نہیں تو۔ مگر آپ کیسے آئیں؟ باہر تو کوئی کار نہیں کھڑی۔''

زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''فارس کہاں گیا؟ کار بھی لے گیا؟'' وہ اسے کال ملانے لگی۔ گھنٹیاں جا کر پلٹ آئیں مگر جواب نہ ملا۔ جنید ناشتے کے برتن نظر انداز کرتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ (کچن میں رات کے معرکے کے نشانات وہ حتی المقدور صاف کر چکی تھی)

فارس کا پیغام چند لمحوں بعد موصول ہوا۔ ''ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم گھر چلی جانا۔''

زمر کے ابرو تن گئے۔ آنکھوں میں دبا دبا سا غصہ ابھر آیا۔ اس نے پرس اٹھایا' موبائل اندر پھینکا اور باہر نکل آئی۔

''کیب سے جاؤں گی کیا اب؟ اتنا بھی خیال نہیں آیا اسے۔'' اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

.....❖❖❖.....

کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں ..... بندے بندے میں بو خدائی کی

صبح کی دودھیا روشنی میں سورج کی سنہری تاریں ملیں تو آسمان مزید روشن ہو گیا۔ ایسے میں اس بلند عمارت کی بالائی ترین منزل کے کارنر آفس میں ہاشم اپنی پاور چیئر پہ موجود تھا۔ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' بال جیل سے پیچھے کو جمائے آنکھوں پہ عینک لگائے وہ چند کاغذ پڑھ رہا تھا۔ سامنے کرسی پہ احمر شفیع اٹھے کندھوں کے ساتھ' گھٹنے ملا کر بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

ہاشم نے دفعتاً عینک اتاری اور چہرہ اٹھاتے ہوئے کاغذ میز پہ ڈالے۔

''بے کار ہے یہ سب۔ اس میں کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حنین نے اوسی پی کو بلیک میل کیا تھا۔''

''لیکن اس سے یہ ثابت ضرور ہوتا ہے کہ اس نے اوسی پی کی بیٹی کی ویڈیو تباہ کرنے کے عوض کوئی تحفہ وصول کیا تھا' وہ ان میلز میں حمیرا کو یہی بتا رہی ہے' مگر ظاہر ہے حمیرا یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ تحفہ لیک شدہ پیپرز تھے۔'' احمر بے چینی سے بولا۔

''میں مانتا ہوں ایسا ہی ہوا ہوگا' لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے اس بات کا۔'' ہاشم نے کندھے اچکائے تھے۔ احمر گہری سانس لے کر کھڑا ہوا۔ ''پھر میں نئی نوکری تلاش کرنا شروع کر دیتا ہوں سر۔ شکریہ آپ نے میری بات سنی۔'' وہ واپس مڑا اور چند قدم دور گیا جب ہاشم نے پکارا۔

''تم اپنے آفس میں واپس آ چکے ہو۔ میں بات کر کے مکرنہیں جاتا۔ میں اس کو دوسرے طریقے سے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' وہ اب فون اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ احمر نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''شکریہ سر۔'' وہ باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے مکافضا میں لہرایا ''یس!'' اور آگے بڑھ گیا۔ حلیمہ نے بے اختیار اسے سر اٹھا کر

دیکھا تھا۔

اندر ہاشم فون کان سے لگائے میز پہ رکھی اپنی ڈاک کھول رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ناخوشی سے انگریزی میں تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔

''کون سا کیس؟ کوئی کیس نہیں چلے گا۔ میں نے چھے ماہ سے پہلے اگلی تاریخ نہیں لینے دینی ان کو۔ بوڑھا کر دوں گا ان کو یونہی۔''

ڈاک الگ الگ کرتے ہوئے اس نے چند لفافوں کو بنا کھولے ردی کی ٹوکری میں اچھال دیا' اور کچھ کو علیحدہ رکھ دیا۔ اور یہ تبھی تھا جب اس نے وہ لفافہ دیکھا۔ بات کرتے ہوئے اس کے ابرو بھنچے۔

وہ پرانے کاغذ کا پیلا زرد سا لفافہ تھا۔ دیکھنے سے بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس نے تعجب سے موبائل رکھتے ہوئے اسے اٹھایا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر پیپر نائف کے ساتھ لفافہ چاک کیا۔ اندر کوئی دبیز شے تھی۔ ہاشم نے انگلی سے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔

وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔ فرنٹ کور اور چند صفحات۔ اس نے پہلا صفحہ پلٹایا اور.... ایک دم وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پاسپورٹ ہولڈر کی تصویر سامنے تھی۔ بڑھی شیو والا سعدی یوسف۔ لیکن.... پاسپورٹ ادھورا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر لفافے میں جھانکا۔ اندر ایک اور پرانے طرز کا کاغذ تہہ کیا رکھا تھا۔ ہاشم نے اسے نکالا۔ اس پہ انگریزی میں گویا قلم دوات سے چند الفاظ تحریر تھے۔

''سعدی یوسف کو عدالت میں دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے یہ پاسپورٹ کافی ہے۔ لیکن اس کا مکمل ہونا ضروری ہے۔ اس نے یہ ٹریش کین میں اچھال دیا تھا۔ میں نے اس کے سارے ٹکڑے جمع کر لیے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے تمہیں مکمل کر کے دوں تو اپنے ٹوئیٹر اکاؤنٹ سے یہ نمبر لکھ کر ٹویٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔''

فقط

ایک خیر خواہ۔

نیچے ایک نمبر درج تھا۔ ریاضی کے چند بے سروپا ہندسے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا' پھر اس لفافے سمیت تمام اشیاء کو دراز میں ڈال دیا۔

اسی پل اس کا فون بجا۔ بلاکڈ نمبر کالنگ۔ اس نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے احتیاطاً ہیلو کہا۔

''سر..... کیا آپ میری بات سن سکتے ہیں؟'' وہ خاور تھا۔ ہاشم نے ایک نظر بند دراز کو دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔

''میں نے سعدی یوسف کی جان بچائی تھی' خاور۔ میرے اس کے ساتھ بہت سے اختلاف سہی' اور اپنی اس ویڈیو کے بعد میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں لیکن ایک محبِ وطن لڑکے کو دہشت گرد قرار دے دینا..... یہ ظلم میں نہیں کرنا چاہتا۔ کسی کو مارنا الگ بات ہے۔ جیتے جی مارنا بالکل الگ۔ اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چلے گا۔ اس لیے مجھے اس پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے جو تم رشوت کے طور پہ بھیج رہے ہو مجھے۔''

''سوری سر؟ کون سا پاسپورٹ؟'' وہ اپنی جگہ الجھ گیا تھا۔ ''میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا سر۔'' پھر روانی سے بولا۔ ''اگر آپ مجھے اپنے بندوں سے تلاش کروانے کی بجائے میری بات سن لیں تو میں آپ کے والد کے قتل کا معمہ حل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کے لیے آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔'' پھر وہ ٹھہر کر بولا۔ ''آپ کے لئے میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال لگا دیے' مگر آپ نے مجھ سے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا کہ میں بے گناہ تو نہیں ہوں؟ کیا میرا اتنا بھی حق نہ تھا' سر! ایک دفعہ تو پوچھا ہوتا سر کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے' پھر میں پاتال سے بھی اس کو کھینچ کر لے آتا' مگر آپ اس لڑکے کی باتوں میں آ گئے۔''

''سنو خاور! جلد یا بدیر میرے آدمی تمہیں ڈھونڈ لیں گے۔ اس لیے اب دوبارہ فون نہ کرنا۔'' ناگواری سے کہتے اس نے فون رکھ کر

لیپ ٹاپ کھولا۔ البتہ دماغ کی ایک بتی مسلسل جلنے بجھنے لگی تھی۔ اگر خاور نہیں تھا تو یہ کون سا تیسرا فریق تھا جو درمیان میں کود پڑا تھا؟

چند منٹ ہی وہ کام کر پایا اور پھر ایک دم سے اس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ گھنٹی سنتا رہا۔

''تم نے کہا تھا تم اس آخری چیز کی قیمت لگاؤ گی' کیا وہ یہ پاسپورٹ ہے جو تم نے مجھے بھیجا ہے؟''

''کون سا پاسپورٹ؟'' علیشا نے حیرت سے دہرایا تھا۔

''اداکاری مت کرو۔'' وہ اکتا کر کہہ رہا تھا جب.....

''تمہارا ایک میموری کارڈ تھا میرے پاس۔'' ہاشم ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''تمہارے باپ کا کمپیوٹر ہیک کیا تھا نا میں نے' یاد ہے؟ وہیں سے کچھ ملا تھا مجھے۔ مگر وہ معلومات ایسی تھیں کہ میں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ سوچا کسی اور کو دے دوں ورنہ تم تو میری جان لے لو گے۔ خیر اب وہ سب میرے لیے بے کار ہے اور وہ تمہیں بھی نہیں اب ملے گا۔ رہی میں..... تو میں ملک چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگیوں سے جا رہی ہوں۔''

ہاشم فون بند کر کے سوچتا رہا۔ اگر وہ سچ کہہ رہی تھی تو بھی اورنگزیب کے کمپیوٹر میں کم از کم وارث غازی کی فائلز تو تھیں نہیں سو وہ اس کے ہاتھ نہیں لگی ہوں گی۔ باقی ہر چیز کی خیر ہے۔ سر جھٹک کر وہ دوبارہ کام کرنے لگا۔

❖❖❖

اس بار وہ تلخی ہے روٹھے بھی نہیں ہم ..... اب کہ وہ لڑائی ہے کہ جھگڑا نہ کریں گے ہم

ہسپتال کی چمکتے فرش والی راہداری' خاموش اور سرد پڑی تھی۔ فارس نے کمرے کے دروازے پہ انگلی کی پشت سے دستک دی' پھر دروازہ دھکیلا تو اندر کا منظر کھلتا چلا گیا۔

بیڈ پہ لحاف تانے آبدار ٹیک لگائے بیٹھی تھی' اور ایک نرس اس کے پیچھے تکیے برابر کر رہی تھی۔ اس کے سرخ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے پہ مردنی چھائی تھی۔ کلائیاں سخت پٹیوں میں بندھی تھیں اور وہ برے موڈ کے ساتھ نرس سے نقاہت سے کچھ کہہ رہی تھی جب آہٹ سنی تو چہرہ پھیرا۔

اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھ کر نگاہوں میں تحیر در آیا۔ سانس بھی تھم گیا۔ پھر سر کے خم سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ سلام کہتا اندر داخل ہوا۔ کمرہ کافی وسیع و عریض اور پر تعیش تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب رکھے شاہانہ طرز کے کاؤچ پہ بیٹھ گیا اور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا لی۔ پھر لبوں پہ بند مٹھی رکھے' خاموشی سے آبدار کو دیکھنے لگا۔ آبی نے نظریں جھکا لی تھیں۔ نرس باہر نکلی تو وہ ہلکے سے کھنکھارا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

آبدار نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر نقاہت سے مسکرائی۔ ''اب ٹھیک ہوں۔'' ذرا رکی۔ ''بابا سے ملاقات ہوئی آپ کی؟''

''میری شکل پہ گدھا لکھا ہے کیا جو ان کے ہوتے ہوئے ادھر آتا؟ وہ نکلے ہیں تو آیا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ انداز میں کاٹ سی تھی۔ وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا لیں۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' اب کے وہ نرمی سے بولا تو وہ اپنے پٹیوں میں بندھے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''مجھے اور کچھ سمجھ نہیں آیا۔ آپ میری کال نہیں اٹھا رہے تھے۔''

''تو اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو اٹھا لیتا آپ کی کال؟ ایسے کون کرتا ہے؟ اپنے والد کا تو سوچنا تھا۔'' آبدار نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ ''میں نے آپ کو اتنی کالز کیں' آپ کیوں نہیں آئے؟''

''میں مصروف تھا۔''

''کس کے ساتھ؟'' اس نے آنکھیں اٹھا کر تیزی سے پوچھا تو وہ اتنی ہی تیزی سے بولا۔

''آپ کو حق ہے یہ پوچھنے کا؟''

آبدار کی اس پہ جمی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔ ''آپ چلے جائیں۔'' اور وہ پیچھے سے اپنے تکیے جوڑنے لگی گویا اسے جانے کا عندیہ دے کر اب لیٹنے لگی ہو۔

''آبدار!'' وہ کہتے ہوئے اٹھا مگر دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کی جانب قدم بڑھائے۔ ''آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے تھا۔'' اس کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ تکیے جوڑتی رک گئی۔ چہرہ اٹھا کر بلی جیسی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی جو ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے قریب آرکا تو وہ بیٹھے بیٹھے ذرا پرے ہوئی۔ وہ آہستہ سے اس کے بازو کے قریب بیڈ پہ بیٹھا۔

''اگر آپ کو مجھے بلانا تھا تو اس کے دوسرے طریقے بھی تھے۔ یہ سب کر کے آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔'' وہ اسے فکرمندی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور آبی کی بھیگی آنکھیں بے خودی کے عالم میں اس پہ جمی تھیں۔

''مجھے افسوس ہے اگر میری وجہ سے آبدار آپ کو کبھی کوئی غلط تاثر ملا' مگر میری نیت ہمیشہ صاف رہی۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔'' وہ اس پہ نظریں جمائے دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ میں نے اپنی ساری زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔ جس کے اوپر دل ہارا' اس کے نام کو بھی اپنے نام کے ساتھ آلودہ ہونے نہیں دیا' اس لئے کوئی آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جوڑے' مجھے اس بات نے بہت پریشان کیا ہے۔ اسی لئے ادھر آیا ہوں۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آبی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھیں ہنوز ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

''آپ کو میری فکر تھی؟''

''ظاہر ہے مجھے فکر تھی!'' اسی نرمی سے کہتے ہوئے فارس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کا پٹیوں میں لپٹا ہاتھ تھاما۔ آبدار کا سانس رک گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ ''اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں۔'' اس کی آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کی بائیں کلائی تھام رکھی تھی۔

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ میرے بلانے پہ آجایا کریں گے۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''میں.....وعدہ کروں؟ میں مس عبید ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک شادی شدہ آدمی کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے؟''

''کیسے؟'' وہ چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ چند پل۔ چند ساعتیں۔ بنا پلک جھپکے۔ اور پھر ایک دم فارس کی انگلیوں نے اس کی کلائی کی پٹی کو جھٹکا دیا۔ آبدار کی کراہ نکلی مگر اس سے پہلے کہ وہ ہکا بکا سی' اپنا ہاتھ چھڑاتی' وہ درشتی سے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھامے' دوسرے سے اس پہ لپٹی پٹی کھینچ کر اتار رہا تھا۔

''چھوڑیں۔ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ چلائی مگر فارس نے پٹی کی آخری تہہ نوچ کر پرے پھینکی اور اس کی کلائی اٹھائی۔ وہ بے داغ تھی۔ خراش تک نہ تھی۔

''جس طرح آپ کے والد صاحب نے مجھ سے بات کی' مجھے بہت برا لگا۔ وہ ہوتے کون ہیں مجھے قصوروار ٹھہرانے والے۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ غرایا تھا۔ آبدار کا چہرہ سفید پڑا۔ آنسو تک خشک ہو گئے۔ ''میں نے آبدار بی بی چار سال جیل میں گزارے ہیں۔ وہاں ایسے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی شکل دیکھ کر بھی آپ کی جان نکل جائے گی' میں نے ان کے ساتھ سزا وائیو کیا ہے۔ آپ کے یہ بے

کارڈ رامے سروائیو نہیں کروں گا کیا؟'' اس کی کلائی کو زور کا جھٹکا دے کر چھوڑا۔ وہ شل سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سرخ پڑتی آنکھیں اس پہ جمائے انگلی اٹھا کر بولا۔ ''آئندہ اگر آپ نے مجھے کال کی' یا میرے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑنا چاہا' یا میرے گھر اور ریسٹورانٹ کا رخ بھی کیا تو میں کس حد تک جا سکتا ہوں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ بات آئی ہے دماغ میں یا نہیں؟'' غصے سے بولتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آبی نے شل نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تو آپ یہاں صرف اپنا نام صاف کرنے آئے تھے۔''

''جی ہاں۔ کیونکہ جب میں نے آپ کو بھی کوئی غلط تاثر نہیں دیا تو آپ کی ان جذباتی حرکتوں کے لئے مجھے ذمہ دار نہ ہی ٹھہرائیں آپ کے والد صاحب تو اچھا ہے۔ میں ان کے باپ کا ملازم نہیں ہوں جو ان کی باتیں سنوں گا۔ اس لیے ان سے کہیے گا' میرے منہ نہ لگیں آئندہ!'' برہمی سے بولتا' ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا' اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

فارس دروازے تک پہنچا تھا جب اسے آواز آئی۔ اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی دوسری کلائی کی پٹیاں نوچ نوچ کرا تار رہی تھی۔ فارس کے ابرو اکٹھے ہوئے مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتا' وہ کلائی برہنہ کر چکی تھی۔

''یہ ہے وہ جو میں نے کاٹی تھی۔'' گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی۔ فارس نے بے اختیار اس کی پہلی کلائی کو دیکھا جو سوائے ذرا سی کھروچ کے صاف تھی البتہ یہ والی کلائی.... یہ بری طرح زخمی دکھائی دیتی تھی۔ لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا۔

''وہ... تمہارے لیے.... فارس غازی.... ایسا.... کبھی نہیں کرے گی۔''

فارس نے بڑی مشکل سے قدم اٹھائے تھے۔ وہ کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اب ہذیانی انداز میں خود سے لگی سوئیاں اور نالیاں نوچ نوچ کر پھینکنے لگی تھی۔ اس کے برف ہوئے آنسو اب روانی سے گرنے لگے تھے۔

.....❖❖❖.....

سوادِ درد میں تنہا کھڑا ہوں ..... پلٹ جاؤں مگر موسم نہیں ہے

سورج کی نرم گرم روشنی مور چال کو اس دھند آلود صبح میں بھی دہکا رہی تھی۔ زمر واپس آ کر اندر جانے کی بجائے لان میں گھاس پہ رکھے جھولے پہ آ بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے گھنگریالے بال اڑا رہی تھی مگر وہ بے نیاز سی اسی طرح بیٹھی' آنکھیں موندے جھولا لیتی رہی۔ جوتے اور پرس گھاس پہ ہی ادھر ادھر لڑھکے پڑے تھے۔

بالائی منزل کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو حنین لیپ ٹاپ کے آگے جڑی بیٹھی تھی۔ دلچسپی سے وہ اسکرین پہ لکھی عبارتیں پڑھ رہی تھی۔ ساتھ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھا اسامہ تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے گم صم سا نظر آ رہا تھا۔

نچلی منزل کا منظر کسی عام صبح سے مختلف لگتا تھا۔ ندرت اور حسینہ کچن میں تھیں۔ ناشتے کی مہک' پراٹھوں کی خوشبو' برتنوں کی اٹھا پٹخ' ندرت بہن بہت جوش سے اہتمام کرنے میں لگی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھے ابا بھی صداقت کو ڈپٹ ڈپٹ کر ایک ایک کونا صاف کرنے کو کہہ رہے تھے۔ جانتے تھے سعدی' زمر کی طرح کتنا نفاست پسند تھا۔ حسینہ کو خوب تاؤ چڑھ رہے تھے۔ (نراڈرامہ ہے سارا خاندان۔ ناں میں پوچھتی ہوں اس زخم والے منہ لئے' سوکھے سڑے لڑکے میں رکھا کیا ہے جو سب اس کے لئے پاگل ہو رہے ہیں۔ سیدھے منہ سلام تو اس نے مجھے کیا نہیں۔ اب تہوں والے پراٹھے بناؤ اس کے لئے۔) وہ رات سے پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی اور اب دل چاہ رہا تھا۔ اس پراٹھے میں زہر ملا دے۔ بیلن کو آٹے پہ برابر کرتے' بڑبڑاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو چونکی۔

سعدی کندھے پہ بیگ لئے' چہرہ جھکائے کچن کے باہر کھلتے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ ندرت ابھی ابھی لاؤنج میں گئی تھیں۔ (سعدی دوسری جانب سے آیا تھا) سو کسی نے اسے آتے نہیں دیکھا۔ حسینہ چند لمحے تو کھڑی رہی' پھر بیلن رکھ کر باہر نکلی۔ ندرت اور ابا مشترکہ طور

پہ صداقت کو ڈانٹ رہے تھے۔ سیم زینے اترتا آرہا تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ آخری سیڑھی تک پہنچا تو حسینہ نے کمر پہ ہاتھ رکھے' آنکھیں گھما کر مزے سے اطلاع دی۔ ''اسامہ بھائی.... وہ تو چلا گیا سامان سمیت۔ اب ناشتہ بناؤں یا نہ بناؤں؟''

''کون؟'' اسامہ سر اٹھا کر ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا اور پھر جس لمحے اسے سمجھ آئی..... وہ ایک دم باہر کو بھاگا۔ لاؤنج ایک جست میں عبور کرتا وہ پورچ کے دروازے سے باہر جا نکلا۔ حسینہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ (پاگل!)

اسامہ نے باہر آ کر گردن ادھر ادھر گھمائی۔ وہاں سعدی کہیں نہ تھا۔ صرف زمر جھولے پہ آنکھیں موندے سر پیچھے گرائے بیٹھی تھی۔

''بھائی چلا گیا' پھپھو!'' زمر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ حواس باختہ سا اس تک آ پہنچا تھا۔

''آپ نے بھائی کو جاتے دیکھا؟''

''ہاں دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ دھیان نہیں دیا..... مگر وہ آیا کب؟ اور وہ چلا کیوں گیا؟'' وہ حیران سی جگہ سے اٹھی۔ یاد آیا رات فارس فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اسامہ نے روہانسا ہو کر اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں نے ان کو کہا تھا کہ.....''

باہر گھنے درختوں کی قطار کے ساتھ سڑک پہ وہ سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ بیگ کندھے پہ تھا اور ہاتھ جینز کی جیبوں میں تھے۔

''سعدی!'' اس نے وہ آواز سنی تو قدم زنجیر ہوئے۔ وہ ٹھہرا۔ پھر دھیرے سے مڑا۔

دور..... دس بارہ میٹر کے فاصلے پہ زمر کھڑی تھی۔ رات والے جھلملاتے سیاہ لباس پہ جیکٹ پہنے' گھنگریالے بال آدھے باندھے' وہ بہت دلگرفتہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہیں دور کھڑی..... ننگے پاؤں' اس سے چند قدم وہ پیچھے اسامہ کھڑا تھا مگر اس نے چہرہ جھکا رکھا تھا۔

سعدی کے چہرے پہ کرب سا ابھرا۔ زمر پہ اپنائیت بھری نظریں جمائے وہ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتا پھر بند کر دیتا۔ پہلو میں گری مٹھیاں کبھی بھینچ لیتا' کبھی ڈھیلی چھوڑ دیتا۔

ننگے پاؤں کھڑی زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''خدا حافظ کہے بغیر جا رہے تھے کیا؟ اور اس سلام کا کیا جو خدا حافظ سے پہلے کہنا تھا؟''

سعدی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہیں کھڑا اسے انہی مغموم نظروں سے دیکھتا رہا۔ دونوں کے درمیان کئی گز کا فاصلہ تھا۔

''سلام!'' اس نے سر کے خم سے سلام کیا۔ آواز گیلی روکھی سی تھی۔

''تم ہماری سلامتی چاہتے ہو تو جا کیوں رہے ہو؟'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں اونچی کر کے بولی تھی۔

''نہیں رہ سکتا یہاں۔ وحشت ہوتی ہے مجھے۔ دل ٹوٹا ہوا ہے میرا۔'' وہ جب بولا تو الفاظ سرگوشی میں ادا ہوئے' مگر نگاہیں زمر پہ جمی تھیں۔ ان میں بے چارگی' خود ترسی' شکستگی' سب کچھ تھا۔

''ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تین گولیاں لگتی ہیں اور سارے اپنے چھوڑ جاتے ہیں' ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ پکار کر بولی تھی۔ ''جیسے سب آپ کے بغیر مزے کر رہے ہیں اور صرف آپ تنہا اذیت کاٹ رہے ہیں۔ میں اس سے گزر چکی ہوں۔ تم گزر رہے ہو۔ چناؤ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ کرنا ہے جو میں نے چار سال پہلے کیا تھا؟ سب کو اپنی زندگی سے باہر دھکیل کر دروازے بند کر کے خود کو اکیلا کرنا ہے۔ یا پھر دروازہ کھولنا ہے؟ اور روشنی کو اندر آنے دینا ہے؟ کیونکہ کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لئے پگھلا جائے۔'' بولتے بولتے اس کو سانس آنے لگی تھی مگر اس پہ نگاہیں جمائے وہ کہے جا رہی تھی۔ ''تم نے چننا ہے' تم نے فیصلہ کرنا ہے..... اپنے خاندان سے دور رہ کر خود کو جوڑ لو گے تو خدا حافظ کہہ کر نکل جاؤ' اور اگر میری غلطیوں سے سبق سیکھنا ہے تو واپس آؤ اور مجھے سلام کہو۔'' وہ کہہ کر سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی منتظر سی اسے دیکھ رہی۔ اس کا دل اندر سے بہت زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اگر وہ چلا گیا تو؟

''میرے اندر کا زہر سب کو ہرٹ کرے گا اگر میں یہاں رہا تو۔''

''نہیں سعدی۔ بات یہ ہے کہ تمہیں نفرت ہے اس کام سے جو حنین نے کیا کیونکہ تمہیں محبت ہے حنین سے۔ فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ اس کے کام سے نفرت زیادہ شدید ہے یا اس کی محبت زیادہ شدید ہے۔ جس میں زیادہ شدت ہوگی وہ تم سے چناؤ کروالے گی۔''

سعدی نے خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا.....اور اس کے عقب میں چہرہ موڑے کھڑے سیم کو۔ ''مجھے نہیں لگتا اب کسی کو میری ضرورت ہے۔ سب میرے بغیر رہنا سیکھ چکے ہیں۔'' اسامہ کے جھکے چہرے پہ ایک آنسو لڑھکا تھا۔

''اسی لیے سب تمہیں اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتے ہیں۔ ضرورت کے تحت نہیں۔ کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے سعدی۔ مگر محبت کے تحت۔ اور کیا تمہیں ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ رشتے وہ زیادہ خالص ہوتے ہیں جن میں محبت ضرورت پہ حاوی ہو جائے۔''

اور اس لمحے.....گھنے درختوں کی قطار کے قریب چھایا میں کھڑے سعدی یوسف کو اس دھندلی صبح سب کچھ صاف نظر آنے لگا تھا۔ ایک دم سے دماغ اور دل کے آئینے کی ساری گرد کسی نے ہاتھ پھیر کر صاف کر دی تھی۔ وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی' محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سعدی نے بیگ نیچے ڈال دیا۔ پھر قدم قدم چلتا وہ فاصلہ عبور کرنے لگا۔ زمر وہیں کھڑی رہی۔ وہ آگے بڑھتا آیا۔ یہاں تک کہ اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا۔ پھر بھیگی آنکھیں اٹھائیں اور ''السلام علیکم!'' کہتے ہوئے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ کر اسے خود سے لگایا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔''

اسامہ خاموشی سے سعدی کی سابقہ جگہ تک آیا اور اس کا بیگ اٹھا کر گھر کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے اس سے علیحدہ ہوتے مسکرا کر نم آنکھوں سے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے اسے دیکھا۔ ''ویلکم ہوم!''

یہ وہ بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ جو رات کو کہانی سنے بغیر نہیں سوتا تھا۔ اسے آج بھی کہانیاں سنانے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ وہ صرف ''باتوں'' سے سمجھتا تھا۔ اسے صرف باتوں کا فن آتا تھا۔ اس کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر.....ہسپتال کی رات جب سے وہ کھویا تھا.....سے لے کر نو ماہ بعد.....اس کو یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھنا.....اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرنا' اسے مسکرا کر تسلی دینا.....زمر کو لگ رہا تھا اسے اس کی ساری دنیا واپس مل گئی ہے۔ وہ پہلے سے دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ کمزور۔ منہ کا زخم بھی قدرے مندمل تھا مگر بہرحال موجود تھا۔

''سچ سچ بتاؤ' کیا اس نے بہت زور کا مارا تھا تمہیں؟'' وہ اس کی کہنی تھامے گھر کی طرف ٹہلتے ہوئے واپس آتی' اس سے پوچھ رہی تھی۔

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کس نے؟''

''فارس نے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھتا چلنے لگا۔ زمر نے گہری سانس بھری۔ اسے کیوں بھول گیا تھا کہ وہ چھے فٹ کا ایک نوجوان تھا جو کبھی اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے مار کھانے کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔

اتنے عرصے بعد ملے تھے۔ وہ موقع کی مناسبت سے اس سے چھوٹی چھوٹی مگر محتاط سی باتیں کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ زیادہ جواب نہیں دے رہا تھا۔ بس چپ تھا۔

وہ دونوں گیٹ سے اندر چلے گئے مگر اسامہ اس کا بیگ لئے وہیں پورچ کے ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری فکرمند سوچ میں تھا جب باہر سے کار اندر آتی دکھائی دی۔ تب وہ جگہ سے اٹھا۔ فارس ڈرائیونگ ڈور کھولتا' چابی جیب میں اڑستا باہر نکل رہا تھا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اے...تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ اسکول نہیں جانا؟'' وہ لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔

''سعدی بھائی گھر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ شکر ہے زمر پھپھو نے روک لیا۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز اور ہلکے دل کے ساتھ اطلاع دی۔

فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ غصے سے اندر کھلتے بند دروازے کو دیکھا۔

''جناب کا دماغ درست نہیں ہوا ابھی تک۔ دو ہاتھ اور لگنے چاہیے تھے اسے۔ اس کی تو آج میں طبیعت صاف کرتا ہوں۔''

''ماموں!'' سیم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ مگر وہ سر جھٹک کر اندر چلا گیا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتے کے برتن سجے تھے۔ ندرت تازہ پراٹھے لا کر رکھ رہی تھیں۔ سعدی اب مسکرا کر ابا سے دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔ فارس کو دور سے آتے دیکھا تو سر کو محض ذرا سا خم دیا۔ فارس لبوں پہ مسکراہٹ جمائے اس تک آیا۔ اس کا کندھا زور سے دبایا۔ ''ویلکم ہوم سعدی!'' مسکرا کر کہتا اس کی طرف جھکا' اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ہیرو۔ واپس آ گئے ہو تو تمیز سے گھر میں رہو۔ ماں کا خیال ہے یا نہیں؟ اب کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو دیکھنا۔'' برہمی سے اسے آہستہ سے سنا کر وہ سیدھا ہوا اور مسکراہٹ دوبارہ سے لبوں پہ طاری کئے آگے بڑھ گیا۔ سعدی گہری سانس لے کر رہ گیا۔ (واقعی ویلکم ہوم!)

وہ اپنے کمرے میں آیا تو زمر کورٹ کے لئے تیار کھڑی تھی۔ اسے نظر انداز کئے آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگاتی رہی۔

''آہم!'' وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ ''اس ناشتے کا کیا کیا؟''

زمر نے آواز کے ساتھ لپ اسٹک بند کی اور اس کی طرف گھومی۔

''تم فجر پڑھنے گئے تھے یا تراویح؟''

''کیوں میری عبادتوں کو نظر لگاتی ہو؟ استغفر اللہ!'' اس نے کان کی لو کو چھوا۔

''کہاں گئے تھے؟'' وہ چبھتی نظریں اس پہ جمائے تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''تیسری بیوی کے پاس!'' زمر کے تاثرات بگڑے۔ ماتھے کی تیوریاں بڑھ گئیں۔

''تو پھر ادھر ہی رہتے نا۔'' وہ طنزیہ سر جھلا کر بولی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

''میں اس امر کو یقینی بنانے گیا تھا کہ وہ دوبارہ میرے اور تمہارے کسی ناشتے' کسی کھانے کے درمیان نہ آئے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے اعتماد اور مان سے بولا کہ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ بھوری آنکھوں میں امید سی چمکی۔

''وہ اب کبھی بھی کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ مجھ پہ اعتبار کرو۔'' اس کی آنکھوں کا بھروسہ....اور مان....وہ پگھل گئی۔ اور پھر ہلکا سا مسکرائی۔ ''وہ گئی ہے تو کوئی اور آ جائے گی۔ تم بھی تو عادت سے مجبور ہو۔''

''آپ کی ان ہی اداؤں کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ.... بندہ جیل سے کبھی واپس ہی نہ آیا ہوتا۔'' وہ خفگی سے کہتا پلٹ گیا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

(دو نمبر آدمی....) وہ کمرے سے نکل گیا تو زمر نے ڈریسنگ ٹیبل کی اوپری دراز کھولی اور پیچھے ہاتھ ڈال کر کچھ باہر نکالا۔ سیاہ مخملیں ڈبیا جس پہ زمانوں کی گرد پڑی تھی۔ زمر نے گرد جھاڑی اور اسے کھولا۔ اندر رکھی دمکتی ہوئی ہیرے کی لونگ ہر گرد اور آلائش سے پاک تھی۔ وہ مسکرا دی۔ اس نے لونگ کی ڈبی پرس میں ڈالی اور بال برش کرنے لگی۔ (فارس غازی جب آج یا کل اسے یہ لونگ پہنے دیکھے گا تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے؟ اف۔ وہ اس کی 'وہ' شکل دیکھنے کے لئے بے تاب تھی۔)

زمر باہر آئی تو فارس سمیت باقی سب ناشتہ کر رہے تھے۔ اسے پہلے دوا لینا تھی سو کچن میں آئی۔ گول میز پہ حنین اکیلی چائے پی

رہی تھی۔

''حنہ۔تم ادھر؟'' حنین نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی میں ادھر ہی ہوں۔اسی گھر میں۔لیکن کوئی بات نہیں اگر آپ مجھے بھول گئیں۔کوئی بات نہیں اگر آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی۔حنہ تو ہمیشہ سے پسِ منظر میں ہوتی ہے۔یہ اتنے مہینے تو وہ آپ کی نظر میں سعدی یوسف کے sad reminder کے طور پہ موجود تھی۔اس کے lesser version کے طور پہ۔مگر اب وہ آ گیا ہے تو میں بھی اپنی پرانی جگہ پہ واپس آ گئی ہوں۔رہیں آپ تو آپ کے لئے ہمیشہ سعدی سب کچھ تھا۔صرف سعدی۔سو آپ ناشتہ انجوائے کریں اور میرے لئے گلٹی فیل نہ کریں۔مجھے اپنی بدصورت سچائیوں اور اپنے اندر موجود شیاطین کے ساتھ رہنا آ گیا ہے!'' وہ چائے کا مگ اور سیل اٹھا کر' سادگی سے کہتی اس کے ساتھ سے نکل کر باہر چلی گئی۔زمر بالکل خاموش سی ہو گئی تھی۔اور کچھ خفا بھی۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گھر کے ایک فرد کے راضی ہونے تک دوسرا کیوں ناراض ہو جاتا تھا!

❖❖❖

اب مہ و سال کی مہلت نہیں ملنے والی ..... آ گئے اب تو شب و روز عذابوں والے

ہارون عبید اپنے آفس میں کنٹرول چیئر پہ بیٹھے' چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے چند کاغذات کا مطالعہ کر رہے تھے۔عینک ناک پہ دھری تھی اور انہماک قابلِ دید تھا۔موبائل بار بار بج رہا تھا۔بالآخر انہوں نے اسے اٹھا ہی لیا۔''بولو بیٹا۔''

''آپ نے فارس سے کیا کہا ہے؟'' وہ رو رہی تھی۔انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے عینک اتاری۔

''جو امین نے مجھے کہا تھا کہنے کو۔یہی کہ تم ہسپتال اس لیے ہو کہ.....خیر میں جانتا ہوں امین غلط بیانی کر رہا تھا' اور اگر تمہارے توجہ حاصل کرنے والے کام ختم ہو گئے ہوں تو گھر واپس چلی جاؤ۔کسی کو معلوم ہوا تو نیا تماشا بنے گا۔'' وہ سادہ اور مصروف انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بابا آپ ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے چلائی تھی۔''آپ نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ہمیشہ میرا راستہ روکا۔ہمیشہ مجھے ہرٹ کیا۔آئی ہیٹ یو بابا۔آئی ہیٹ یو.....'' اور روتے روتے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

ہارون کا فون پکڑے ہاتھ کان سے لگا رہا تھا' گویا وہ شل سے ہو گئے تھے۔ساکت۔متعجب۔پھر سر جھٹک کر وہ دوبارہ سے کام کرنے لگے مگر چہرے سے شدید ڈسٹرب لگ رہے تھے۔بار بار فون اٹھاتے پھر رکھ دیتے۔

''تم اس حد تک گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' دروازہ دھاڑ سے کھلا اور جواہرات کا ردار تیز تیز چلتی اندر آتی دکھائی دی۔

ہارون نے اکتا کر نظریں اٹھائیں۔وہ میرون اور سفید لباس میں گہرے میک اور جیولری پہنے ایک طرف جتنی بنی سنوری ہوئی تھی' دوسری جانب آنکھوں میں اتنی ہی سرخی تھی۔وہ اکتا سے گئے۔

''بیٹھ جاؤ جواہرات۔آج کل تم لوگ کسی کو دھمکانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھک کر وہ غرائی۔''تم لوگوں نے میری ویڈیو بنائی۔اور اب تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو استعمال کرنے کی دھمکی دے کر گئی ہے مجھے۔میں نے تم پہ بھروسہ کر کے تمہیں ایک کام کہا تھا اور فصیح نے اسے ریکارڈ کر لیا۔''

ہارون عبید تحمل سے پیچھے ہو کر بیٹھے۔وہ عمر اور تجربے کے اس دور سے نکل چکے تھے جہاں ''کیا؟ کون سی ویڈیو؟ مجھے نہیں معلوم'' جیسے الفاظ فوراً حیران ہو کر بولے جاتے ہوں۔انہوں نے جواہرات کے الفاظ کو ذہن میں ترتیب دیا اور ساری تصویر واضح ہو گئی۔

''اور میری بیٹی نے یقیناً یہ بھی بتایا ہو گا کہ کس صورت میں وہ اس ویڈیو کو استعمال نہیں کرے گی۔''

''ہاں بتایا تھا۔ڈونٹ ٹیل می کہ تم نہیں جانتے۔لیکن یاد رکھنا' میں ہاشم سے کچھ نہیں کہوں گی۔اس نے اپنی مرضی سے آبی کو پرپوز کیا ہے۔'' (میز پہ رکھی ہارون کی مٹھیاں زور سے بھنچ گئیں۔ماتھے پہ بل در آیا۔)''اور میرے کہنے سے وہ نہیں رکے گا۔اس لئے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ،

شادی سے انکار کرنا ہے تو خود کرے اور اس ویڈیو کو ضائع کر دو ہارون۔ ورنہ جو میں کروں گی....''

''کیا کرو گی تم؟'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنکھوں میں غصہ لئے جواہرات کو دیکھا۔ ''وہ ویڈیو ضائع نہیں ہوگی۔ اپنے بیٹے کو سمجھا دو کہ وہ میری بیٹی سے دور رہے۔ ورنہ میں اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے تباہ کر دوں گا۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔ آ جاتے ہیں دھمکیاں دینے۔ پہلے اپنے مسئلے سلجھاؤ۔'' جواہرات برہم سی واپس مڑ گئی اور جب تک وہ باہر نکلی ہارون بلند آواز میں بولتے رہے۔

کرسی پہ واپس گرتے ہوئے انہوں نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ شدید متفکر نظر آنے لگے تھے۔

.....❖❖❖.....

زندہ رہنے کی تمنا ہو تو ہو جاتے ہیں ..... فاختاؤں کے بھی کردار عقابوں والے

اس سنہری دوپہر حنین اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی' مسکرا کر اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''کاپی نہیں ہو پا رہا تو کیا ہوا؟ میموری کارڈ تو میرے پاس ہے نا۔'' میموری کارڈ کی فائلز کاپی نہیں ہوتی تھیں' اس نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ اس نے سلاٹ سے کارڈ نکالا' پھر ایک ننھی سی پلاسٹک کی ڈبی (جس کو اپنے کچھ میموری کارڈز سے اس نے خالی کر لیا تھا) میں اسے ڈالا۔ اپنی الماری کھولی۔ لاک والے دراز میں اسے رکھ کر مقفل کیا اور چابی جوتوں کے خانے میں پیچھے پیچھے کر کے چھپا دی۔ پھر مسکرا کر واپس لیپ ٹاپ پہ آ بیٹھی۔ ان باکس کھولا۔ سیو سعدی یوسف کا پیغام ابھی تک ان باکس میں موجود تھا جس میں احمر کو اس نے ایڈمن بننے کی درخواست دی تھی۔

مسکراتے ہوئے حنین نے پیغام ٹائپ کیا۔ ''یہ ہے میرا نمبر۔ مجھے کال کریں پلیز احمر۔ مجھے سلطان بنگش کے بارے میں بات کرنی ہے!'' پیغام بھیج کر وہ کرسی پہ ٹیک لگائے مزے سے بیٹھ گئی۔ دو سیکنڈ بعد ہی seen لکھا آ گیا۔

احمر آفس کی راہداری میں دو افراد کے ساتھ چلتا جا رہا تھا اور کچھ بول بھی رہا تھا جب موبائل بجا۔ چونکہ ہاتھ میں ہی تھا اس لئے اس نے بات جاری رکھتے ہوئے اسکرین کو چھوا۔ پیغام پڑھ کر اس کی زبان رکی۔ چہرہ فق ہوا۔ ان لوگوں سے معذرت کر کے وہ تیزی سے اپنے آفس کی طرف واپس آیا اور فون کان سے لگایا۔ حنین نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''کیسے ہیں آپ کاردارز کے میڈیا مینیجر' امیج کنسلٹنٹ احمر شفیع صاحب یا مجھے یوں کہنا چاہیے کہ.... سل.... طان....'' وقفہ دیا تو وہ جلدی سے بولا۔

''فضول گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتائیے' کیا مسئلہ ہے؟'' ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے یہ پوچھنا تھا کہ کیا کاردارز ابھی تک ہماری کالز ریکارڈ کر رہے ہیں؟ وہ معصومیت سے بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بچے۔ کوئی آپ کی کالز ریکارڈ نہیں کر رہا۔''

''اچھا۔ یعنی پھر ہم تسلی سے بات کر سکتے ہیں۔ میں ایک صاحب کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ ان کا نام سلطان تھا.....''

''حنین' پلیز!'' اس نے پیشانی آستین سے پونچھی۔ سفید چہرہ لئے وہ مضطرب سا فون کان سے لگائے آفس میں ٹہل رہا تھا۔

''نہیں احمر شفیع۔ پلیز تو میں بولوں گی اب۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے تمام فونز اور کمپیوٹرز کی مانیٹرنگ ختم کر دی جانی چاہیے ورنہ میں اپنے پی ٹی سی ایل سے اپنی پھپھو کو کال کروں گی اور ان کو وہ دلچسپ کہانی سناؤں گی' سلطان صاحب والی' اور میں روز یہی کروں گی۔ روز اپنے ایک رشتے دار کو کال کر کے ان کو وہ کہانی سناؤں گی۔ اب ہماری کالز ریکارڈ کرنی ہیں یا نہیں یہ فیصلہ آپ کا ہے۔ بائی!'' مسکرا کر کال کاٹی اور احمر فون رکھ کر تیزی سے باہر بھاگا۔ لفٹ میں سوار وہ نچلے فلور تک گیا اور بھاگتے ہوئے راہداری عبور کی۔ ایک آفس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھے کانوں سے ہیڈ فون لگائے شخص کو ''اٹھو۔ باہر جاؤ'' کہہ کر اسے کالر سے اٹھا کر کھڑا کیا' اور اس کی جگہ پہ بیٹھا۔

''باہر جاؤ!'' وہ حیران پریشان سا جگہ سے نہ ہلا تو احمر دھاڑا۔ وہ فوراً باہر لپکا۔ اب احمر تیزی سے کی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا۔ اس کی پیشانی سخت سردی میں بھی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔

❖❖❖

وہ وقت آ گیا ہے کہ ساحل کو چھوڑ کر ..... گہرے سمندروں میں اتر جانا چاہیے

ہاشم کے آفس میں باوجود سردی کے کسی ہیٹر کی ضرورت نہ تھی۔ ماحول خاصا گرما گرم ہو رہا تھا۔ ہاشم نے برے موڈ کے ساتھ فون رکھا اور سامنے بیٹھی جواہرات کو دیکھا۔

''ایس ایچ او کا تبادلہ ہو گیا ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''اور یہ یقیناً صاحبزادی صاحبہ نے کروایا ہو گا۔'' جواہرات فکرمندی سے آگے ہوئی۔ وہ اسی صبح والے لباس میں تھی اور بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔ گہرے میک اپ کے باوجود وہ بوڑھی لگنے لگی تھی۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نوشیرواں کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔'' ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تم اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کروالو پھر بھی۔''

''ممی کیا ہو گیا ہے؟ یہ non-bailable offence ہے۔ ضمانت نہیں ہو سکتی۔''

''ہو سکتی ہے۔ تم نے رانا برکت والے کیس میں کروائی تھی نا۔''

''ممی وہ غیر معمولی حالات تھے' وہاں بہت سی جائز وجوہات تھیں۔ یہاں نہ ہو سکتی ہے نہ اس چکر میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ آپ بے فکر رہیں' کوئی شیرو کو گرفتار نہیں کرے گا۔'' ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے وثوق سے کہا۔ جواہرات نے مضطرب سا پہلو بدلا۔

''وہ تب سے کمرے میں بند ہے۔ ہاشم تم اس کی فکر کرو۔ فی الحال ہم کتنے کرائسز میں ہیں۔'' ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟ میں اس کی فکر کروں؟ کر تو رہا ہوں۔ میں ہی تو کر رہا ہوں۔ مگر آپ کے یہ الفاظ کہاں سے آ رہے ہیں' ہاں؟'' اس نے ایک تیز گہری نظر ماں پہ ڈالی۔ جواہرات نے چائے کا کپ آہستہ سے پرچ میں رکھا اور الفاظ ڈھونڈے۔

''آبی والے معاملے' کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر کے....''

''ایک منٹ ممی!'' اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ جواہرات کی سانس تک اٹک گئی۔ ''میں نے اس کو پرپوز اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مجھے بار بار ترغیب دلاتی تھیں۔ میں نے یہ فیصلہ اپنی وجہ سے کیا تھا۔ میری بھی ایک زندگی ہے جسے میں آپ لوگوں کی غلطیاں درست کرنے میں ختم نہیں کر سکتا۔ وہ معاملہ جہاں ہے وہیں رہے گا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جواہرات نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا' البتہ اس کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔ وہ بے حد شکست خوردہ نظر آ رہی تھی۔

وہ پرس اٹھائے آفس سے باہر نکلی تو احمر چلا آ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سے گزرنے لگی تو احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

''مسز کاردار' میں یوسفزئی کے فون ٹیپ ہٹوا رہا ہوں۔'' جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا پھر آنکھوں میں غصہ در آیا۔

''یہ ہر کوئی اپنی من مانی کب سے کرنے لگا ہے' تم ہاشم سے پوچھے بغیر....''

''مسز کاردار!'' وہ نرمی سے سرگوشی میں بولا۔ ''وہ لڑکا سعدی.... وہ کال کر کے کسی سے خاور کی بات کر رہا تھا۔ خاور کو پھنسانے کی۔ آپ کا نام لے رہا تھا۔ میں اسی لئے ٹیپ ہٹوا رہا ہوں' بے فکر رہیں' میں آپ کا وفادار ہوں۔'' سمجھانے والے انداز میں وہ بولا تو جواہرات گہری سانس لے کر رہ گئی۔ رنگت مزید پھیکی پڑی۔ (ہر طرف سے گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ ہر شخص ٹائم بم بنا ٹک ٹک کر رہا تھا۔)

''ٹھیک ہے' تم نے درست کیا۔ ویسے بھی اب کال ٹیپنگ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ احمر نے غور سے اسے دیکھا۔

''مسز کاردار' پریشان مت ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

راہداری میں باریک ہیل سے چلنے کی آواز آئی تو وہ دونوں جو قدرے الگ تھلگ کھڑے تھے چونک کر دیکھنے لگے۔ سامنے سے شہرین چلی آ رہی تھی۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس' بالوں کو الٹے سیدھے فیشن کے مطابق باندھے' وہ ان کو نظر انداز کر کے ہاشم کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

''احمر.... مجھے خاور سے نجات چاہیے۔'' وہ بے بسی سے دبی دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''ہاشم کہہ رہا تھا اس نے کال کی ہے اس کو۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا احمر!''

❖❖❖

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں ..... لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

شام کا نیلگوں اندھیرا ہر پل گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ کالونی کے گھروں کے پورچ اور گیٹ کی بتیاں جلنے لگی تھیں۔ مغرب کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ایسے میں فارس غازی کالونی کی مسجد میں موجود تھا۔ سنگِ مرمر کی چوکی پہ بیٹھا' وہ جھک کر نل سے وضو کر رہا تھا۔ پانی اس کے کانوں کی لو اور تھوڑی سے ٹپک رہا تھا اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ پاؤں دھو کر وہ سیدھا کھڑا ہوا' پھر سوئیٹر کے آستین برابر کرتا صحن کی طرف بڑھ گیا۔

مسجد دھیرے دھیرے نمازیوں سے بھر رہی تھی۔ اسے پہلی صف میں جگہ نہیں مل سکی' شاید اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ ابھی اتنی جلدی اتنے آگے کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی۔ تیسری صف میں وہ دو نمازیوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ پیر سے پیر ملا لیا۔ اردگرد موجود لوگوں کی اکثریت کو وہ نہیں جانتا تھا۔ علاقہ نیا تھا' ابھی جان پہچان میں وقت لگنا تھا۔ اس اجنبی ہجوم میں وہ تنہا تھا۔ لوگ بولتے' باتیں کرتے' صفیں برابر کر رہے تھے۔ وہ بھی سر جھکائے کھڑا رہا۔ امام صاحب نے تکبیرِ تحریمہ پڑھی تو اس نے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے اللہ اکبر کہتے بازو' سینے پہ باندھے۔ اب وہ قدرے پرسکون انداز میں عربی کلمات پڑھنے لگا تھا۔ دھیرے دھیرے بے چین دل کو قرار آ رہا تھا۔

سلام پھیر کر جب ہر شخص کو جانے کی جلدی تھی' وہ سر جھکائے دوزانو وہیں کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔

''میں اچھا آدمی نہیں ہوں' مانتا ہوں۔'' سر جھکائے وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

''میرے ارادے برے تھے' یہ بھی مانتا ہوں۔ میں خاور کو قتل کرنا چاہتا تھا' اس نے میرے بے گناہ بھائی اور معصوم بیوی کو مارا تھا۔ میں ہاشم اور جواہرات میں سے کسی ایک.... اس ایک کو قتل کرنا چاہتا تھا جس نے اس قتال کا حکم دیا تھا۔ اسی لئے میں کہتا تھا زمرسے کہ ہم الگ ہو جائیں گے مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں خاور کا فیصلہ اللہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ نہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔ نہ اس کے خلاف کچھ کروں گا۔ رہا ہاشم تو میں اس کی جان نہیں لوں گا۔ خیر آپ جانتے ہیں میں کیا کروں گا اس کے ساتھ' مگر اب.... میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتا۔

انصاف چاہیے مجھے۔ عدالت نہیں دے گی جانتا ہوں' خود لینا پڑے گا' مانتا ہوں۔ مگر ہاں اب.... اب میں اس سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ اب میں خوش ہوں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ اب روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اب لگتا ہے کہ میرا ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے گا۔ محبت کتنی محبت سے heal کر دیتی ہے ہمیں' اے اللہ!'' سر جھکائے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ اٹھا تو نمازیوں کا ہجوم تتر بتر ہو چکا تھا۔ وہ چپ چاپ مسجد سے نکل آیا۔ جوتے پہنے اور ٹھنڈی خوشگوار ہوا میں چلتا ہوا گھر کا فاصلہ عبور کرنے لگا۔ اس کا چہرہ پہلے سے پرسکون اور مطمئن لگتا تھا۔

اس کے جوگرز میں مقید پیر تارکول کی سڑک عبور کر رہے تھے۔ تیز تیز.... اور شاید گزرے برسوں کا فاصلہ بھی طے کر رہے تھے۔

نیلگوں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

تارے آسمان پہ نمودار ہونے لگے تھے....ٹھنڈے میٹھے تارے.....

وہ دونوں سینما کے ہال میں موجود تھے۔اندھیر کرسیوں پہ پیچھے کو ٹیک لگائے وہ کان کی لو مسلتا نگاہیں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھا۔ گاہے بگاہے ساتھ بیٹھی زرتاشہ کو بھی دیکھ لیتا جو بالوں کو ہیئر بینڈ میں مقید کیے' ہاتھ میں پکڑے nachos وقفے وقفے سے کھاتی' انہماک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ مر جائے گا۔'' کچھ دیر بعد وہ بے چینی سے بولا۔فلم اسے بور کر رہی تھی۔زرتاشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''آپ نے دیکھ رکھی ہے پہلے؟'' وہ ناراض ہوئی تھی۔

''نہیں یار۔صاف پتہ چل رہا ہے۔اچھا اب ایسی شکل مت بناؤ۔اسے دیکھو....'' زرتاشہ نے خفگی سے سر جھٹک کر چہرہ واپس موڑا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

چند لمحے بعد انٹرمیشن کا نشان ابھرا اور ہال کی بتیاں جل اٹھیں۔لوگ اٹھ اٹھ کر باہر جانے لگے۔وہ دونوں وہیں بیٹھے رہے۔تین چار لڑکوں کا گروہ ان کی قطار میں آگے بڑھتا ان تک آ رہا تھا' گویا اب ان کے سامنے سے تنگ سی جگہ سے گزر کر جائے گا۔وہ فارس کی دائیں طرف سے آ رہے تھے' سو فارس نے جو گرز لمبے کر کے نچلی قطار کی نشست پہ رکھ دیے اور سینے پہ بازو لپیٹے' قدرے نیم دراز ہو گیا۔لڑکے رک گئے۔جان گئے کہ وہ نہیں چاہتا وہ اس کی بیوی کے سامنے سے گزر کر جائیں۔وہ واپس مڑ گئے۔

''آپ کو میری بات یاد ہے! مجھ سے نہیں لڑیں گے۔میرے لئے لڑیں گے۔'' وہ مسکرا کر اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

فارس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔''لڑتا تو ہوں تم سے۔''

''جانتی ہوں مگر اس دن آپ نے روبینہ آنٹی کے سامنے میری حمایت کی کہ زرتاشہ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی' حالانکہ میں نے کہی تھی۔'' وہ میکے میں کوئی بات سے بات نکلنے والے ایشو کا تذکرہ کرنے لگی۔

''مجھے پتہ ہے تم نے کہی تھی اور تمہیں نہیں کہنی چاہیے تھی۔زرتاشہ ہر وقت دوسروں کے معاملات پہ کمنٹس نہیں دیتے۔اور ٹیکسٹ اور فون کالز پہ تو یہ کام کبھی نہیں کرتے۔فونز پہ باتیں صرف بگڑتی ہیں کیونکہ پوری سمجھ نہیں آتیں۔لیکن جب کبھی تم خاندان میں کسی کے بارے میں کوئی بات کیا کرو تو اس کو own کیا کرو' اس کے لئے لڑا کرو' اس پہ ڈٹ جایا کرو۔کسی خالہ پھپھی یا بھابھی کے ڈر سے مکر نہ جایا کرو کہ میں نے کسی کو نہیں بتایا۔میں نے تو کچھ نہیں کہا' وغیرہ۔بات کو اس کے گھر پہنچایا کرو۔''

''مانا کہ میری غلطی تھی مگر آپ نے ان کے سامنے میری حمایت کی تھی' مجھے اچھا لگا تھا۔'' وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فارس نے پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''تم غلط کرو گی یا صحیح' میں دنیا کے سامنے ظاہر ہے تمہیں ہی سپورٹ کروں گا۔اگر آپ اپنے گھر کی لڑکیوں کو ان کی غلطیوں کے لئے معاف کر کے ان کو سپورٹ نہیں کر سکتے' ان کا ہاتھ تھام کر ان کو ان کے پورے قد کے ساتھ کھڑا نہیں کر سکتے تو آپ کیسے مرد ہوئے! انسان تو بہت سے ہوتے ہیں۔مرد کوئی کوئی ہوتا ہے۔''

''بس اتنا بتا دیں کہ یہ فلم والا مرد مرے گا تو نہیں؟'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''میں اول تو اسے مرد مانتا نہیں ہوں' دوم' ہاں یہ مر جائے گا۔نہیں' میں نے یہ فلم نہیں دیکھ رکھی۔میں نے صرف ریویو میں ساری کہانی صبح پڑھ لی تھی۔'' وہ یونہی نیم دراز' ٹیک لگائے مسکرا کر بتا رہا تھا۔

''تاکہ آپ میری فلم خراب کرسکیں!''اس کی آنکھوں میں پھر سے ناراضی ابھری۔

''مجھے ایک قدم آگے رہنا اچھا لگتا ہے زرتاشہ!''

مغرب پوری طرح ڈھل چکی تھی۔اس کے جوگرز سڑک کو گویا اپنے نیچے لپیٹتے تیز تیز فاصلہ عبور کررہے تھے۔سبز بیلوں سے ڈھکا بنگلہ سامنے تھا۔وہ گہری سانس لے کر ماضی کی یادوں کو ذہن سے جھٹکتا اندر داخل ہوا۔

لاؤنج میں وہی لوگ تھے جو روز ہوتے تھے۔مگر آج لگتا تھا سب کے چہروں پہ مسکراہٹیں ہیں۔راہداری سے گزرتے وہ کچن کے کھلے دروازے میں ذرا دیر کو ٹھہرا۔سعدی سلیب کے ساتھ کھڑا تھا'اور سر جھکائے مسکرا کر سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر کو سن رہا تھا جو دھیرے دھیرے بتا رہی تھی....''پھر ہم نے فارس کے کیس کے دنوں میں.....''

پرانی کتھائیں ....طویل قصے۔زمر کی اس کی طرف پشت تھی۔سعدی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔وہ ایک ثانیے کو ٹھہرا' پھر اسے آواز دی۔

''سعدی!''سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔زمر نے بھی گردن موڑی۔(فارس کو دیکھ کر اسے پرس میں رکھی لونگ یاد آئی۔اوہ ابھی تک نہیں پہنی۔اپنی بھول پہ افسوس ہوا۔)

''اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔''اس نے عجلت میں پوچھا گویا زیادہ دیر مخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔مگر مخل کرنے کا بہانہ بھی چاہیے تھا۔

''وہ میں نے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔بے فکر رہیں۔''سعدی نے سر کو جنبش دے کر تسلی کروائی۔فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کیا مطلب ڈسپوز آف کر دیا ہے؟ میں نے کہا تھا میں اسے خود ڈسپوز آف کروں گا۔وہ صباحت نے اپنا کیریئر داؤ پہ لگا کر تمہارے لئے بنوایا تھا۔تمہیں یقین ہے وہ کسی کے ہاتھ نہیں لگے گا۔''اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''اس کے اتنے ٹکڑے کیے تھے کہ اب وہ نہیں ملے گا کسی کو۔فکر نہ کریں!''سعدی نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔

''مگر.....''

''فارس۔وہ کہہ رہا ہے تو اس پہ بھروسہ رکھو!''

زمر کی بات پہ اس نے''اچھا جی!''کہہ کر سر کو خم دیا اور برے موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔وہ دونوں پھر سے باتوں میں لگ گئے تھے۔

''آپ اکیلے نہیں ہیں۔''دو قدم آگے بڑھا تھا کہ سیم کے کمرے کے دروازے پہ کھڑی حنین نے پکارا۔وہ رکا۔غور سے اسے دیکھا۔

''اگر تم سمجھتی ہو کہ میں جیلس ہو رہا ہوں تو.....''

''میں سمجھتی نہیں ہوں' مجھے یقین ہے۔خیر ہے۔ہوتا ہے ایسے۔''الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ شگفتہ نہ تھا۔چہرے پہ عجیب ویرانی تھی۔کہہ کر وہ پلٹ گئی اور سیم کے بیڈ پہ آ بیٹھی۔(وہ ٹیوشن جاتا تھا اس وقت۔)اداس اور ویران۔یکا یک دروازہ بند ہو کر لاک ہونے کی آواز آئی تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

فارس دروازہ مقفل کر کے کرسی لے کر اس کے سامنے آ بیٹھا' اور آگے ہو کر غور سے اسے دیکھا۔''حنین' کیا مسئلہ ہے؟ سیم نے مجھے نہیں بتایا۔مگر تمہاری اور سعدی کی کیا لڑائی چل رہی ہے؟''

ڈھیلی سی فرنچ چوٹی بنائے' کٹے بال ماتھے پہ بکھیرے' زرد چہرے والی حنین کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

''آپ تو ہمیشہ دو قدم آگے رہتے ہیں' آپ کو ابھی تک کسی نے نہیں بتایا؟''

''کیا؟ مجھے واقعی نہیں پتہ!'' وہ ٹھٹکا تھا۔ حنہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ آپ کو بتا دے گا۔ بھائی۔ وہ بتا دے گا اور آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔'' فارس چند ثانیے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔

''کیا کیا ہے تم نے؟'' الفاظ ہموار اور پرسکون تھے' مگر سوال قیامت تھا۔

''ایسے ہی قیامت کے دن اور اس سے پہلے قبر میں پوچھا جائے گا نا کہ کیا کیا ہے تم نے حنین۔ کیا کر کے آئی ہو؟ میں کیا کہوں گی؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل پھسل رہے تھے۔

''کسی کو قتل کیا ہے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' حنہ کی گردن نفی میں ہلی۔

''پھر ہر چیز ٹھیک ہو سکتی ہے۔ بتاؤ مجھے۔ کیا کیا ہے تم نے؟'' اس نے نرمی سے پوچھتے ہوئے حنہ کے ہاتھ تھامے۔ وہ ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے۔ گویا برف کے ٹکڑے ہوں۔ اکیس سال کی دبلی پتلی کمزور' اداس سی وہ لڑکی ہلکے ہلکے سے کانپ رہی تھی۔ آنسو مسلسل تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔

''آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔''

''نہیں کروں گا۔'' اس نے تسلی دی۔

''میں نے ایگزام میں چیٹنگ کی تھی۔ میں نے اوسی پی صاحب کو...'' وہ ہچکیوں کے درمیان سر جھکائے بتاتی رہی۔ وہ توجہ سے سنتا رہا۔ کتھا ختم ہوئی تو حنہ نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''حنین!'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''انسان زندگی میں بہت کچھ کرتا ہے۔ غلط صحیح اچھے برے کام سب کرتا ہے انسان۔ ہر چیز کو تجربہ سمجھ لیا کرو۔ ٹھیک ہے تم سے غلطی ہوئی' لیکن تم نے توبہ کر لی نا' بات ختم ہو گئی۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''احمر شفیع جانتا ہے۔ اس نے ہمارے گیٹ پہ آ کر مجھے دھمکی دی تھی!'' فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا' گویا بری طرح چونکا تھا۔ اس نے یہ کتھا بھی سنا ڈالی۔

''یہ کب کی بات ہے؟''

''جب آپ سری لنکا تھے۔'' وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ ''خیر' میں اس سے لے لوں گا ہر چیز۔ وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔''

''وہ آپ کو وہ سارے ثبوت نہیں دے گا۔''

''اس کا تو باپ بھی دے گا۔''

حنین چپ ہو گئی۔ ''اس کا باپ.... خیر کسی اور کے راز کھولنے سے پہلے.... ایک اور بات....'' اس نے اب کی بار سر نہیں جھکایا۔ اب سر اٹھا کر بات کرنی تھی۔ آنکھوں میں دیکھ کر۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے کمزور ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر کے۔

''میں نے کچھ اور بھی کیا ہے۔ جس کی وجہ سے بھائی مجھ سے ناراض ہے۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے مجھے منع کیا تھا مگر میں بہت اکیلی تھی' مجھے کوئی اپنا دوست نہیں لگتا تھا۔ میں.... میں ہاشم بھائی سے ٹیکسٹ پہ بات کرتی تھی.... میں....'' اسے لگا فارس کے ہاتھ اس کے ہاتھ سے پھسلنے لگے ہیں' وہ ہلکا سا چونکا تھا' ڈھیلے اعصاب تن گئے تھے' حنین نے اپنے پسینے میں ڈوبے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کر دی۔ بس ان ہاتھوں کو وہ نہیں چھوڑ سکتی تھی' وہ نہیں کھو سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری.... مجھے نہیں پتہ تھا میں کیا کر رہی ہوں.... میں ان کو پسند کرنے لگی تھی۔ آئی ایم سوسوری.... میں کبھی ان سے ملنے نہیں گئی.... انہوں نے بلایا تب بھی نہیں.... وہ سعدی بھائی کے ساتھ تھے.... بھائی کو ٹارچر کرنے کے لئے مجھے کال کر رہے تھے' بھائی اسی لئے غصہ ہے مجھ سے۔ میں نہیں گئی مگر کئی ماہ.... کئی ماہ میں ان سے بات کرتی رہی.... ٹیکسٹ پہ.... ایک دو دفعہ کال پہ.... مگر میں ان سے بات کرتی رہی.... مجھ سے غلطی ہوگئی ماموں.... میں غلط راستے پہ چلی گئی تھی.... میں بہت بری ہوں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آنسو اس کے ہاتھوں پہ بھی گر رہے تھے' یا شاید وہ پسینہ تھا مگر وہ ابھی تک مضبوطی سے اس کو تھامے ہوئی تھی۔

وہ بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ چپ۔ پھر اس نے نظریں جھکالیں۔ حنین وحشت سے اسے دیکھنے لگی۔ دل ڈوبنے لگا۔

اور پھر فارس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ نکال لئے۔ اس کے گیلے ہاتھ تنہا رہ گئے۔ وہ شل بیٹھی رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھتا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حنین نے اپنے خالی ہاتھ اپنے تہی دامن میں رکھ لئے ساری دنیا ویران ہوگئی تھی۔

''تم نے کبھی اسے کہا کہ تم اس کو پسند کرتی ہو؟'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ آواز آہستہ تھی۔ بہت آہستہ۔

''انہیں انداز ہوگا۔ وہ ہاشم کاردار ہیں' میں نے....''

''میں نے پوچھا' تم نے اسے کہا یا نہیں کہا۔'' وہ اب حنہ کی طرف گھوما۔ وہ یک ٹک چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

فارس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس باہر خارج کی اور پھر واپس کرسی کی طرف آیا۔

''سنو حنین!'' وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے بیٹھا کہنے لگا تھا۔ ''انسان کا پسند ناپسند پہ اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے بعد کیا کرتا ہے اس پر اختیار ہوتا ہے۔ میں نے بھی جیل میں اچھے برے بہت سے کام کیے ہیں۔ اتنی عمر ہو چکی ہے کہ اب میں ایک چھوٹی بچی کو جج نہیں کر سکتا۔ میں اس بات کو دوبارہ ڈسکس بھی نہیں کرنا چاہوں گا۔ مجھے اب صرف اس بات کی پرواہ ہے کہ وہ کورٹ میں کیا پیش کرے گا۔''

''کورٹ؟'' حنہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''کون سا کورٹ؟''

''اگر کوئی ٹرائل ہوا تو وہ تمہیں کورٹ میں بلائے گا اور تمہارے سارے میسیجز پرنٹ کر کے وہاں پیش کرے گا۔ آئی ایم سوری حنہ اگر میں کبھی تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ تم اکیلی نہیں ہو' کہ تم مجھ پہ اعتبار کر سکتی ہو۔ لیکن اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ مجھے اچھا نہیں لگا مگر میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔ کوئی بھی چیز میرے دل میں تمہاری محبت کم نہیں کر سکتی۔ اور ابھی میں بھی کچھ بتاؤں گا تمہیں' تاکہ یہ ثابت کر سکوں کہ میں بھی تم پہ اعتبار کرتا ہوں۔ مگر پہلے مجھ پہ بھروسہ کرو' اور بتاؤ کہ ان میسیجز میں کیا تھا؟ تم اس سے کیا بات کرتی تھیں؟'' اس نے دوبارہ سے حنہ کے ہاتھ تھام لئے تھے اور وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ نہ نرمی سے نہ سختی سے۔ ضبط اور تحمل سے۔ مگر حنین اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ یک ٹک گم سم سی خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

عرصے بعد ایک گتھی سلجھ گئی تھی۔ ایک گرہ کھل گئی تھی۔ ایک سرا ہاتھ میں آ گیا تھا۔

وہ سوال قیامت تھا' اور جواب بھی قیامت سے کم نہ تھا۔

❖❖❖

حشر کے دن کا غلغلہ' شہر کے بام و در میں تھا ..... نگلے ہوئے سوال تھے' اگلے ہوئے جواب تھے

اگلے چوبیس گھنٹے کہاں غائب ہوئے' پتہ ہی نہیں چلا۔ ایک دن طلوع ہو کر ڈھل بھی گیا اور چھاتے اندھیرے نے دیکھا' نوشیرواں کاردار اس خوبصورت بنگلے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا ہے جو کلب کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ ادھر ادھر ٹولیوں کی صورت بیٹھے لوگ.... ٹہلتے لڑکے لڑکیاں.... سرو کرتے ویٹرز.... ہر کسی نے آنکھ اٹھا کر.... نظر بچا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بڑے دن بعد نہا دھو کر تیار سا'

پرفیوم کی مہک میں بسا' گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے' منہ میں چیونگم چباتا چلا آرہا تھا۔ بار کاؤنٹر کا سٹول کھینچ کر بیٹھا اور سیل فون نکالتے ہوئے بارٹینڈر کو اپنا آرڈر بتایا۔ سن گلاسز اتار کر گریبان پہ اٹکائیں اور اسکرین پہ انگلی پھیرتا نیوز فیڈ چیک کرنے لگا۔

سرگوشیوں اور اونچی باتوں میں اسے اپنا نام واضح سنائی دے رہا تھا۔ وہ نظر انداز کر کے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگا۔ اب وہ نہیں چھپے گا۔ نہیں ڈرے گا۔ کون یقین کرے گا کہ اس نے کسی کو مارنا چاہا ہے؟ چند دن میں لوگ بھول بھال جائیں گے۔

دفعتاً اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا ہے۔ شیر و نظر انداز کیے گھونٹ بھرتا' موبائل دیکھتا رہا۔ وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر دھیرے دھیرے ایک عجیب سا احساس رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ کلب میں چھاتی غیر معمولی خاموشی۔ جیسے سب سرگوشیوں میں بول رہے ہوں' اور پھر چپ ہو گئے ہوں۔

''امریکہ میں ایسے موقعوں پہ مرینڈ رائٹس پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ آفیسر آف لاء کہتا ہے کہ تمہیں خاموش رہنے کا حق ہے' کیونکہ تم جو بھی کہو گے وہ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال ہو گا۔''

نوشیرواں کا ردار بجلی کی سی تیزی سے گھوما۔ اس کی پشت پہ.... سینے پہ بازو لپیٹے.... وہ کھڑا تھا۔ وہ جس کا آسیب اس زیر تعمیر گھر میں بہتے خون سے نکل کر نوشیرواں کے اندر آ بسا تھا۔ وہ آج مجسم صورت اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھوں میں تپش تھی۔ جیکٹ اور جینز میں ملبوس چھوٹے کٹے بالوں والا لڑکا جس کے منہ پہ زخم کا نشان تھا' اس پہ نظریں گاڑے کہہ رہا تھا۔

''مگر پاکستان میں آرٹیکل تیرہ ہی کافی ہوتا ہے۔ دہرانے کی ضرورت پھر بھی نہیں ہے ہمیں کیونکہ تم خاموشی سے کبھی گرفتاری نہیں دو گے۔''

کسی نے کلب کے لاؤنج کی سفید بتیاں جلا دی تھیں۔ مدھم روشنیوں والا خوابناک ماحول یکدم جیسے تیز روشنی میں نہا گیا تھا۔ بے رحم سفید روشنی نے سب عیاں کر دیا تھا۔ سعدی یوسف کے ساتھ سیاہ وردی والے چند افراد کھڑے تھے۔ نوشیرواں کا رنگ پھیکا پڑا۔ وہ آہستہ سے جگہ سے اٹھا۔

''میں سیکشن 161 سی آر پی سی کے تحت نوشیرواں اورنگزیب کا ردار کو اپنا حملہ آور اور اغوا کا رنامزد کرتا ہوں۔ مجھے آٹھ ماہ حبسِ بے جا میں رکھنے اور جسمانی ذہنی اذیت دینے کا ذمہ دار یہی ہے۔ اور ان کے پاس تمہاری گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔'' نوشیرواں نے فوراً موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر آفیسر نے اپنی چھڑی اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

''تم لوگ مجھے یوں گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرے بھائی کو بلاؤ۔'' وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ چلا کر بولا تھا۔ سعدی سینے پہ بازو لپیٹے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ایک سپاہی آگے بڑھا اور نوشیرواں کے ہاتھ تھامنے چاہے مگر اس نے رکھ کر سپاہی کے منہ پہ مکا جڑ دیا۔

ارد گرد تماش بین لڑکے لڑکیوں نے موبائل کیمرے نکال لئے تھے۔ کلک کلک۔ تصاویر اور ویڈیوز بنائی جا رہی تھیں۔ تین سپاہیوں نے اس پہ حملہ کر دیا تھا اور وہ مزاحمت کرتا رہا' چلاتا رہا' گالیاں دیتا رہا' انہوں نے اسے سینے کے بل کاؤنٹر سے لگایا اور ہاتھ پیچھے سے باندھے۔

ایس ایچ او اب اس کو اس کے حقوق پڑھ کر سنا رہا تھا' اس کے اوپر لگی دفعات کی تفصیل بتا رہا تھا' اور وہ کف اڑاتا غصے سے خود کو چھڑاتا مسلسل چلا رہا تھا۔ ہر زاویے سے لوگ دلچسپی سے ویڈیو بنا رہے تھے۔ پولیس والے اس کو لے کر جا رہے تھے' اور سعدی یوسف آخر میں.... ان سب کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ مناظر کی عکس بندی جاری تھی.... آوازیں اور شور بڑھتا جا رہا تھا.....

باہر اسے پولیس وین میں ڈالا جا رہا تھا۔ سعدی وین سے ذرا فاصلے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھے وہ سوچتی نگاہوں سے وین کو دیکھ رہا تھا جب ایس پی بخت آور چشتی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس موقع پہ آنے دیا۔'' وہ نرمی سے سر کو خم دے کر بولا۔

''سعدی خان' میں ان لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ ہم اپنے علاقے کے پیر ہیں' گدی نشین ہیں۔ ہمارے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔ صبح عدالت میں پیشی سے پہلے تک نوشیرواں کا ردار کا بھائی کیا' اس کا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آ جائے تو اس کو نہیں چھڑا سکتا۔'' پھر اس نے سعدی کے کندھے پہ تھپکی دی۔ ''تمہیں انصاف ضرور ملے گا۔ ہر پولیس والا ان کی طرح نہیں ہوتا جن سے تمہارا پہلے پالا پڑا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ پولیس اس آدمی کو آج لاک اپ سے نکلنے نہیں دے گی۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا اور سعدی اس پہ یقین کرنا چاہتا تھا۔

مگر جانے کیوں اب کسی پہ یقین نہیں آتا تھا۔

❖❖❖

جب ڈوبنا ہی ٹھہرا تو پھر ساحلوں پہ کیوں ..... اس کے لیے تو بیچ بھنور جانا چاہیے

''میرا نام ہے سعدی یوسف۔'' نے وہ تہلکہ نہیں مچایا تھا جو نوشیرواں کا ردار کی گرفتاری کی ویڈیو نے مچا دیا۔ چند منٹوں میں وہ ویڈیو نیوز چینلز پہ نشر ہونے لگی۔ مختلف زاویوں سے لئے گئے واضح شاٹس جیسے جیسے اسکرین پہ چلتے گئے' کا ردار اینڈ سنز کے شیئرز کی مارکیٹ ویلیو گرنے لگی۔ ہاشم کا ردار کی پچھتر سے زائد ملکی کمپنیز سے ایک دم سرمایہ کھینچا جانے لگا' اور پہلی دفعہ ہاشم کو احساس ہوا کہ پانی سر سے اوپر ہو رہا ہے۔

وہ ہارون عبید کے ساتھ.... وکلاء کا ایک وفد لئے.... اس وقت تھانے میں موجود تھا.... اور نخوت اور غرور سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھا تلخی سے ایس پی بخت گیلانی سے مخاطب تھا۔ بحث' دھمکیاں' باتیں' سب گرما گرم ماحول میں بلند آواز میں ہو رہی تھیں۔ سامنے والا بھی اپنے علاقے کا پیر تھا۔ اونچی گدی کا عادی تھا۔ گردن اس کی بھی نہیں جھکتی تھی' صرف نفی میں ہلتی تھی۔

''اوپر سے دباؤ ہے کا ردار صاحب۔ اب میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ صبح فیصلہ عدالت میں ہوگا۔''

''ساری زندگی دیکھی ہیں میں نے عدالتیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ویڈیو میں تو اس لڑکے نے ہم دونوں کا نام بھی لیا تھا' پھر حتمی ایف آئی آر میں صرف میرے بھائی کو نامزد کیوں کیا؟'' ان کی بحث جاری تھی۔ ایف آئی آر کے مطابق صرف نوشیرواں کا ردار ذمہ دار تھا سعدی کے اوپر کیے گئے تمام مظالم کا۔

باہر سردراہداری میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ زمر اور سعدی۔ دونوں خاموش سے گہری ہوتی رات کو دیکھ رہے تھے۔

''ہم ہاشم اور ہارون عبید کو کیوں نامزد نہیں کر رہے؟'' وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''ہاتھ والا پرندہ جھاڑی والے دو پرندوں سے بہتر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ تینوں کمزور کیس کی وجہ سے بری ہو جائیں' ہم صرف نوشیرواں پہ فوکس کرتے ہیں۔ اس کے خلاف مضبوط کیس بناتے ہیں۔ اس کو سزا ملی تو ہاشم جیتے جی مر جائے گا۔''

''لیکن وہ پھر بھی آزاد گھومے گا۔'' سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ اسی پل سامنے سے دو سپاہی نوشیرواں کو ہتھکڑی لگائے چلے آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ بے چینی تھی اور آنکھوں میں غصہ۔ سر جھٹک منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ چلتا جا رہا تھا' دفعتاً ان دونوں کو ستون کے ساتھ کھڑے دیکھ کر رکا۔

''میں سمجھا تھا مسز زمر کہ آپ مختلف ہوں گی۔ مگر آپ سب ایک جیسے ہیں۔''

''تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔'' زمر نے سعدی کے سامنے بازو پھیلا کر گویا دونوں کے درمیان آڑ سی بنائی۔

''تم نے مجھ پہ گولیاں چلائی تھیں۔'' سعدی بھی بپھر کر غرایا۔

''تم نے مجھے گالی دی تھی!''

''تو گالی سے جواب دیتے نا۔ گولی سے کیوں دیا؟'' وہ اونچی آواز میں بولا تھا۔

''نوشیرواں تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ اسے لے جائیں۔'' وہ تحمل سے سعدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ نوشیرواں کو ساتھ لے جانے لگے مگر وہ مڑ مڑ کر سرخ چہرے سے اسے دیکھتا' مغلظات بکے جا رہا تھا۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ عدالت میں تمہارے سب گھر والوں کو گھسیٹوں گا۔ تمہاری بہن کو گھسیٹوں گا۔'' سعدی کی مٹھی بھنچی۔ اس نے دانت پیسے۔ تنفس تیز ہوا مگر زمر نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''اس کی باتیں مت سنو۔ نظر انداز کرو۔''

''آپ نے سنا نہیں وہ کیا بکواس کر رہا تھا۔'' اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ چہرے پہ بے بسی در آئی تھی۔

''جب عدالتوں میں معاملے چلے جاتے ہیں نا سعدی' تو پھر یہ تو ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ کیا تم واپس مڑنا چاہتے ہو؟''

''کبھی نہیں۔'' اس نے پورے عزم سے نفی میں سر ہلایا۔

''گڈ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا خود کو پرسکون کرنے لگا۔

دور راہداری کے سرے پہ ایس ایچ او کے کمرے کے دروازے پہ ہارون عبید نکلتے دکھائی دیے۔ وہ وہیں رک کر زمر کو دیکھنے لگے۔ زمر نے جواباً سعدی کو دیکھا۔

''تم گاڑی میں بیٹھو' میں آتی ہوں۔ جاؤ نا!'' وہ اپنے ذہنی خلفشار سے نہیں نکل پایا تھا' سو مضطرب الجھا الجھا سا آگے بڑھ گیا۔ تب ہارون قدم قدم چلتے' ستون کے قریب آ ٹھہرے۔ کلف لگی شلوار قمیض میں ملبوس' وہ چہرے پہ سوچ کی لکیروں کے باعث غیر مطمئن لگتے تھے۔

''مسز زمر.....میں نے آپ سے کہا تھا ہم دوبارہ ملیں گے!'' زمر نے بازو سینے پہ لپیٹ لئے اور تحمل سے ان کو سننے لگی۔ ''آپ مجھے تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ یہ مسئلے بہت تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔''

''بلاشبہ ایسا ہی ہے لیکن میں آٹھ دس سال سے روز ایسے مسئلے نپٹاتی آئی ہوں سو آپ میرے لئے فکرمند نہ ہوں۔'' وہ پرسکون سی بولی تھی۔

''مسز زمر!'' انہوں نے اب کے ترحم سے اسے دیکھا۔ ''مجھے آپ سے ہمدردی ہے' اور میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری مدد کے بغیر یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چل سکتا۔ آپ جج کو خرید بھی لیں تب بھی ہاشم.....'' وہ مزید قریب ہوئے' آواز اب سرگوشی میں بدل گئی تھی اور نظریں زمر پہ جمی تھیں۔ ''کبھی تاریخیں نہیں لینے دے گا آپ کو۔ تاریخ پہ تاریخ دیتا جائے گا۔ لٹکاتا جائے گا۔ بارہ تیرہ سال تک کیس چلے گا۔ ہر سال میں دو پیشیاں ہوں گی۔ گواہ مرکھپ جائیں گے۔ سرکاری ریکارڈ کھو جائے گا۔ اخبارات و میڈیا اس قصے کو بھول چکا ہو گا۔ تیرہ سال آپ تو لڑیں گی' اور آپ لڑ سکتی ہیں لیکن آپ کا یہ پیارا سا معصوم سا بچہ نہیں لڑ سکے گا۔ آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہوا مگر وہ ذہنی طور پہ نارمل نہیں رہا۔ وہ یا تو تنگ آ کر خودکشی کر لے گا یا کسی دن جا کر ہاشم کو گولی مار دے گا۔ وہ.....اتنا لمبا.....انتظار.....نہیں کرے گا مسز زمر!''

زمر کی آنکھوں میں کرچیاں ابھریں' مگر گردن مزید اکڑ گئی۔ ''یہ.....آپ کا.....مسئلہ.....نہیں ہے۔'' انہی کے انداز میں بولی۔

''مگر آپ کا تو ہے نا۔ اور وہ کیا ہے کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔'' وہ نرمی سے ذرا جھک کر بولے تھے۔ ''تیرہ سال.....چلیں دس سال بعد آپ کے ہاتھ میں کیا ہوگا؟ اولاد تو آپ کی ہو نہیں سکتی' میں واقف ہوں' (زمر کی آنکھوں میں سرخی ابھری) لیکن جو بچے آپ کے لئے اولاد کی طرح ہیں' وہ رل جائیں گے۔ وہ کبھی دوبارہ زندگی شروع نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ میں ہاشم کو راضی کرلوں' اور وہ کیس لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔ بار ایسوسی ایشن کے صدر کو پولیس گولیاں مارتی ہے تو سارے وکیل اکٹھے ہو جاتے ہیں' پولیس کے خلاف کیس لڑتے ہیں' اور چھے سات ماہ میں قاتلوں کو سزا دلواتے ہیں۔ چھے سات ماہ میں زمر صاحبہ فیصلہ آجاتا ہے وہ بھی پولیس کے خلاف اس ملک میں جہاں فیصلے آنے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ مگر کیسے؟ کیونکہ وکیل چاہتے تھے کہ فیصلہ آئے۔ اس ملک میں اگر وکیل نہ چاہے تو کوئی فیصلہ نہیں آسکتا' چاہے اس کے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ ہاشم چاہے گا تو کیس چلے گا ورنہ نہیں چلے گا۔ اور ہاشم کو صرف میں راضی کرسکتا ہوں اور کوئی شخص یہ کام نہیں کرسکتا۔ آپ کی وہ نئی رفیق صاحبزادی صاحبہ بھی نہیں۔ اب آپ بتایئے' کیا میں راضی کروں ہاشم کو؟'' اب کے وہ پرسکون لگتے تھے' ذرا مسکرا کر ہمدردی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اور یقیناً بدلے میں مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ بتایئے' کیا کروں میں جس کے بدلے میں آپ یہ عنایت کریں گے میرے اوپر؟''

''آپ فارس کو چھوڑ دیں!''

آسمان سے کوئی تارہ زور سے ٹوٹ کر گرا تھا' گویا کسی فرشتے نے کسی باتیں اچکنے والے شیطان کو دے مارا ہو۔ تارہ تھا یا آگ کا گولہ۔ زمین پہ گر کر ہر شے کو بھسم کر گیا تھا۔

''میں.... فارس کو.... چھوڑ دوں؟'' وہ چند لمحے سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر ایک دم ہنس دی۔ وہ بھی ہلکے سے ہنس دیے۔

''مگر میں سنجیدہ ہوں مسز زمر۔ فارس کو آپ کچھ دے تو سکتی نہیں ہیں' ویسے بھی آپ گردے کی مریض ہیں' آپ کی زندگی کم رہ گئی ہے' اللہ آپ کو زندگی دے' میری تو یہ دعا ہے' مگر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں۔ آپ پہلے ہی جس شخص کی زندگی میں بوجھ بنی ہوئی ہیں' اس سے نکل جائیں اور جس بچے سے آپ کو محبت ہے' اس کو اس بوجھ سے آزاد کردیں۔''

''ہارون صاحب۔'' اس نے مسکراہٹ دبائے چمکتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ ''آپ اپنی بیٹی کے لیے اتنی تگ و دو نہ کریں تو اچھا ہے۔ اس کی تو ہاشم سے شادی ہو رہی ہے نا' نوشیرواں سے ذکر سنا تھا' سو میرا خیال ہے اس کے مسئلے سنبھالنے کے لئے ہاشم کا کردار کافی ہے، اور رہی میں تو....'' بائیں کندھے سے لٹکتے پرس کو اتار کر دائیں پہ منتقل کرتے وہ مسکرا کر بولی۔ ''جو میرا ہے.... وہ میرا رہے گا!'' ایک آخری چمکتی نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑ گئی۔

ہارون نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتے رہے۔

چند لمحوں بعد سڑک پہ گاڑی دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتا سعدی کچھ کہہ رہا تھا.... اور وہ کھڑکی کے باہر بھاگتے' پولز اور بتیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور گود میں رکھے پرس میں ڈالا ہاتھ مسلسل اندر موجود ڈبی کھول بند کر رہا تھا۔ ٹک... ٹک... ٹک... ننھے تارے جیسے ہیرے والی لونگ کی ڈبی کا ڈھکنا بار بار گرنے اور اٹھنے کے باعث مدھم سی آواز نکالتا تھا....

ٹک... ٹک... ٹک...

ہاشم رات کے ڈیڑھ بجے تھانے سے گھر چلا آیا۔ پولیس اتنے دباؤ اور جنگل کی آگ کی سی پھیلتی خبر کے بعد کسی صورت نوشیرواں کو رہا نہیں کرسکتی تھی۔ اب مزید کوشش کرنا خود کو ایک جابر اور قانون شکن بااثر آدمی ظاہر کرنا تھا اور فلانتھراپسٹ ہاشم کردار کے سفید کالر کو یہ گوارا نہ تھا۔

''ایک لڑکا جس کو میں نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کیا....'' باہر میڈیا کے نمائندوں کے مائیکس کے سامنے چہرہ کیے' کار کا دروازہ کھولے کھڑا وہ کہہ رہا تھا۔ ''جس کی بازیابی کے لئے سب سے زیادہ کوششیں میں نے کیں' وہ ذرا سے جائیداد کے تنازعے کے باعث میرے بھائی کو اپنے کیس میں دھکیل رہا ہے' مجھے سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔ یونو واٹ' میں نے اپنی ساری زندگی قانون کی بالادستی کی نذر کی ہے'

میں اس موقعے پہ اپنے عہدے اور طاقت کا ناجائز استعمال کر کے اپنے بھائی کو بغیر عدالت میں پیشی کے نہیں چھڑواؤں گا۔ اگر اس کا نام ایف آئی آر میں ہے تو پھر وہ اورنگزیب کا ردار کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو' اس کو قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو دولت یا طاقت کی فراوانی کے باعث خود کو فرعون سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم پیسے والے ہیں' ہمارے اوپر انگلی اٹھانا بہت آسان ہے۔ یونو واٹ' اب مزید میں ان لوگوں کو ''غریب کارڈ'' نہیں کھیلنے دوں گا۔ صبح ہم عدالت جا رہے ہیں اور اپنے بھائی کو وہیں سے چھڑوا کر گھر لائیں گے۔ ہمیں انصاف چاہیے۔ انصاف صرف غریب کے بچے کو نہیں چاہیے ہوتا' ہمیں بھی.... چاہیے!'' اور ہاتھ ہلا کر ''بس'' کا اشارہ کرتا کار میں بیٹھ گیا۔ مائیکس اس کے تعاقب میں جھکے مگر گارڈ کار کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ ٹائر زحرکت میں آئے اور کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

مور چال کے لاؤنج میں وہ سب بیٹھے ٹی وی اسکرین پہ چلتا نوشیرواں کا کلپ دیکھ رہے تھے۔ (حنین وہاں نہیں تھی۔) سعدی خاموش تھا اور زمرا بات کو بتا رہی تھی کہ کس طرح نوشیرواں اس وقت لاک اپ میں بیٹھا ہے۔

''ہفتے دس دن میں وہ رہا ہو جائے گا' دو دن بعد وہ ملک سے باہر ہوگا' اور اگلے پندرہ سال وہ واپس نہیں آئے گا اور تم دونوں پیچھے سے پیشیاں بھگتانا۔'' فارس نے اپنا کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں اطلاع دی۔ ''ویلکم ٹو پاکستان!'' زمرا اور سعدی پہ ایک ''اچھا سوری'' والی نظر ڈال کر' کندھے اچکا تا' مگ ہونٹوں سے لگا تا' وہ آگے بڑھ گیا تو زمر پہلو بدل کر رہ گئی۔

''نہیں نکلے گا وہ باہر!'' سعدی اس کے جانے کے چند منٹ بعد ایک دم سے بولا تھا اور پھر اسی طرح اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔ زمر بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بے اختیار سر جھٹکا جیسے کسی کی آواز کو.... صور جیسی آواز کو ذہن سے جھٹکا ہو.... (آپ اسے اس بوجھ سے آزاد کر دیں۔)

وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ سعدی ہے۔ وہ چند دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور ہمیں انصاف ضرور ملے گا۔ وہ خود کو تسلی دینے لگی۔ دل سیاہ آسمان میں بار بار ڈوب کر ابھرتا تھا۔

.....❖❖❖.....

سارا جوار بھاٹا میرے دل میں ہے مگر ..... الزام یہ بھی چاند کے سر جانا چاہیے

سعدی نے اوپری منزل پہ بنے اس بیڈروم کا دروازہ کھولا (جو امی نے اس کے لئے تیار کیا تھا) تو اندر اندھیرا تھا۔ موبائل جیب سے نکالتے ہوئے اس نے سر جھکائے سوئچ بورڈ پہ انگلی رکھی تو کمرہ روشن ہو گیا۔ کسی احساس کے تحت اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔

اس کے بیڈ کے کونے پہ حنین بیٹھی تھی۔ الجھے سے بال ڈھیلی چوٹی میں بندھے تھے۔ گود میں کاغذوں کا ایک پلندہ رکھا تھا اور زخمی نگاہیں سعدی پہ جمی تھیں۔

''فارس ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ.... میں ہاشم سے کیا بات کرتی تھی!''

''حنین میں یہ بات اب ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کچھ عرصے بعد میں اسے بھلا کر تمہیں معاف کر دوں گا اور....'' بے زاری سے سر جھٹکتے وہ آگے آیا تو وہ کھڑی ہوئی۔ اٹھی گردن اور پورے قدم کے ساتھ۔

''معافی مانگی کس نے ہے آپ سے' ہاں؟!'' کہنے کے ساتھ اس نے کاغذ سعدی کے قدموں میں پھینکے۔ کچھ نیچے گرے۔ کچھ اڑ کر بکھر گئے۔

''سعدی یوسف خان!'' اس نے صدمے اور غصے سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے اونچی آواز میں دہرایا۔ ''سعدی ... یوسف... خان۔ یہ تھے وہ الفاظ جو ان انیس سو بہتر میسیجز میں پانچ سو چھپن دفعہ استعمال ہوئے ہیں، یہ میرے ان تمام میسیجز کا ریکارڈ ہے جو ان کو بھیجے تھے میں نے۔ بیک اپ سے نکالے ہیں میں نے اور آپ کو دکھانے لائی ہوں۔ دیکھیں اسے۔ پڑھیں اسے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ آ

پ کو کیا بتاتا رہا ہے' مگر میں اس سے آپ کی بات کرتی تھی۔ آپ کی' سعدی بھائی' آپ کی بات کرتی تھی میں۔'' بولتے بولتے جذبات سے آواز بوجھل ہوئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ بالکل خالی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''پڑھیں ان میسجز کو۔ نہیں پڑھیں ان کو پلیز۔ میں نے ہمیشہ ان کو ہاشم بھائی کہا' کبھی غلط بات نہیں کہی ان سے۔ کسی سے ایسی بات کرنا غلط ہے یا صحیح' اس سے قطع نظر میں نے کبھی ان سے ....کوئی....غلط بات....نہیں کہی۔ صرف آپ کی یا زمر کی یا گھر میں بڑھتی وحشت کی بات کرتی تھی۔ ہاں میں ان کو پسند کرتی تھی۔ کہیں دور اندر اب بھی پسند کرتی ہوں۔'' اس کی بلند آواز کانپی۔ ''مگر کسی کو پسند کرنا گناہ نہیں ہوتا۔ پسند پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ کیا کرتا ہے' اس پر ہوتا ہے۔ میرا قصور نہیں ہے اس میں اگر میں ان کو پسند کرتی ہوں۔ جانتے ہیں کس کا قصور ہے؟'' وہ تین قدم آگے بڑھی اور خاموش لب بھینچے کھڑے سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ کا! آپ کا قصور ہے۔'' آنسو اب خشک تھے اور وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی غرائی تھی۔ ''آپ تھے جو مجھے ان کے گھر لے کر گئے تھے اس رات جب نوشیرواں نے اغوا کا ڈرامہ کیا تھا۔ آپ تھے جو ہاشم کا لاکر کھولنے میں اور اس کا راز جاننے میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ آپ کو خیال بھی نہیں گزرا کہ آپ کی بہن دوسرے کمرے میں ہاشم کے ساتھ ہے۔ آپ تھے جنہوں نے اس شخص کی اصلیت ڈیڑھ سال ہم سے چھپائی۔ ہمیں دوبارہ ان کے گھر پارٹی پہ لے کر گئے۔ پھر بعد میں آپ مجھے کہتے ہیں کہ اس کو کیوں بلایا کالج؟ ہاں بلایا تھا میں نے ان کو کالج۔ کیونکہ سعدی بھائی....وہ قاتل ہے' کرپٹ ہے' جھوٹا مکار ہے' مگر وہ جج مینٹل نہیں ہے۔ وہ گلٹی ہے تو دوسرے گلٹی لوگوں کو ایسے جج نہیں کرتا جیسے آپ نیک لوگ ہم گناہگاروں کو جج کرتے ہیں۔ کیوں بلایا میں نے اسے کالج؟ اس لئے کہ مجھے اس سے امید تھی کہ وہ مجھے برا نہیں سمجھے گا۔ آپ سے یہ امید نہیں تھی مجھے۔ کیوں بات کرتی تھی میں اس سے؟ کیونکہ مجھے کسی نے....آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ وہ اندر سے کیسا ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا وہ کیسا ہے؟ صرف یہ کہہ دینا کہ اس کو کبھی نہیں بلانا آئندہ کافی نہیں ہوتا۔ مجھے وجہ نہیں بتائی' مجھے اس کی اصلیت نہیں دکھائی....پھر مجھ پہ الزام کیوں ڈالتے ہیں؟'' وہ شل کھڑا سن رہا تھا اور وہ آخر میں ٹھہر کر....اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے چبا چبا کر بولی۔

''میرے دل کا خون کرنے والے ہاتھ میرے نہیں تھے۔ آپ کے تھے!'' پیر کی ٹھوکر سے ان کاغذوں کو مزید بکھیر دیا۔ ''آپ کا فرض تھا مجھے بتانا' مجھے اس کی اصلیت دکھانا۔ میں انیس سو دس کی لڑکی نہیں ہوں جس کو دھونس زبردستی سے' ڈانٹ ڈپٹ کر آپ کچھ بھی کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔ میں اکیسویں صدی کی لڑکی ہوں' میرے پاس میرا ذہن ہے اور ذہانت ہے۔ میرے دور کی لڑکیوں کے بھائیوں کو یہ بھول جانا چاہیے کہ وہ غصہ کر کے' حکم دے کر' یا پابندیاں لگا کر اپنی بچیوں کو کسی سے موبائل پہ بات کرنے سے روک سکتے ہیں۔ جب تک وہ برابری کے لیول پہ آ کر' اپنی بہن کے ساتھ بیٹھ کر اس کو دلائل سے نہیں سمجھائیں گے' وہ ان کی بات نہیں مانے گی۔ باہر کے لوگ ہمارا دل ایسے نہیں توڑتے بھائی جیسے ہمارے اپنے مرد ہمیں توڑ جاتے ہیں۔'' آخری لفظ پہ اس نے ہچکی لی' اور پھر اس کے ساتھ سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جا چکی تھی اور سعدی تنہا خاموش کھڑا تھا۔ پھر دفعتاً وہ جھکا اور ایک ایک کاغذ اٹھانے لگا۔ سب کو اکٹھا کیا' برابر کیا' اور پھر اسٹڈی ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا۔ بغیر پڑھے۔ بغیر دیکھے۔ اس کا چہرہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ سنجیدہ اور خاموش۔

.....❖❖❖.....

جلتی ہیں روز جس کے اشارے پہ بستیاں ..... اس آنکھ تک دھوئیں کا اثر جانا چاہیے

اگلی صبح دھند میں واضح کمی محسوس ہوتی تھی۔ سورج نکھرا نکھرا سا نکلا کھڑا تھا اور ہارون عبید کی رہائشگاہ کے سارے شیشے دھوپ سے چمک رہے تھے۔ لاؤنج میں ہارون شلوار سوٹ اور کوٹ میں ملبوس' صوفے پہ براجمان سوچتی نگاہوں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہے تھے جہاں

نوشیرواں کی گرفتاری کی کلپنگ بار بار دکھائی جارہی تھی۔

''معروف آئی پی پی کا بیٹا نوشیرواں کاردار جس کو کل شام وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کے بعد اسلام آباد کے ایک ریسٹ ہاؤس سے گرفتار کیا گیا تھا' اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے' اور آج اس کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ جہاں پولیس اس کے جسمانی ریمانڈ کے لئے درخواست دے گی اور قوی امکان ہے کہ ابھی چند دن تک نوشیرواں کاردار اپنے گھر نہیں جاسکیں گے۔''

ہارون نے ریموٹ اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین بجھ گئی۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ خاموش لاؤنج میں خاموشی کی چاپ سنتے رہے۔ پھر اٹھے' اور پیچھے سے قمیض جھٹک کر برابر کرتے آگے بڑھ گئے۔

اوپر آکر وہ آبی کے کمرے کے سامنے رکے۔ دروازہ کھٹکھٹایا' پھر دھکیلا۔

''آبدار۔ بچے تم نیچے کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ بیڈ کی پائنتی کے قریب زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سرخ بال بکھر کر کمر پہ گر رہے تھے اور آنکھیں گیلی تھیں۔ وہ ترحم سے اسے دیکھتے آگے آئے اور بیڈ کے کنارے آبیٹھے۔ ''آبی۔'' انہوں نے دوبارہ پکارا۔

''اسے لگتا ہے میں ڈرامہ کرتی ہوں۔ اسے لگتا ہے میں اس کی نیک نامی کے لئے خطرہ ہوں۔'' اس نے گیلی آنکھیں اٹھا کر گلہ آمیز نظروں سے باپ کو دیکھا۔ ''بابا.... مجھے ہر چیز سے وحشت ہونے لگی ہے۔ ہر شخص سے۔''

''آبدار.... اتنا نہیں سوار کرتے کسی کو حواسوں پر کہ....''

''یہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بابا....'' اس نے شکستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''میں بہت بری طرح ٹوٹ گئی ہوں۔ میں سارا دن اس کی کال کا انتظار کرتی ہوں۔ میں نے اس کے نمبر کی رنگ ٹون بھی بدل دی ہے کہ اسکرین دیکھنے سے پہلے مجھے اس کی کال کی خبر مل جائے۔ میں ہر چند منٹ بعد واٹس ایپ پہ اس کا لاسٹ سین دیکھتی ہوں۔ اگر وہ آن لائن ہو تو لگتا ہے وہ میرد سترس میں ہے۔ جیسے کوئی ڈوری سی ہو میرے اور اس کے درمیان۔ مگر میں اسے میسج نہیں کرسکتی بابا۔ کیونکہ پھر وہ مجھے بلاک کردے گا۔ میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے بابا۔'' اس نے اپنا سر ان کے گھٹنے پہ رکھ دیا اور رونے لگی۔ اس کی رنگت زرد تھی اور حلیہ بے ترتیب۔

''آبی.... تم کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ میری ماں کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ مجھے وقت بھی نہیں دیتے۔ میری سالگرہ بھی یاد نہیں رکھتے۔ آپ مجھے ''وہ'' بھی نہیں دے سکتے۔'' نفی میں سر ہلاتی وہ سیدھی ہوئی اور بند مٹھیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

''سوائے ہاشم کاردار کے' تم دنیا میں جس کو بھی میرے سامنے لے آؤ گی' میں اسے قبول کرلوں گا۔''

''مجھے ہاشم سے کوئی سروکار نہیں ہے بابا۔'' وہ غصے سے سر جھٹک کر بولی تھی۔ ''مجھے جو چاہیے' وہ unavailable ہے۔ وہ شادی شدہ ہے۔ اور آپ.... آپ کچھ بھی نہیں کرسکتے میرے لئے۔ میں بابا اب ساری زندگی تکلیف میں رہوں گی۔''

اس کی سبز سرمئی آنکھوں کے کٹورے پھر سے بھرنے لگے۔ ہارون کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔

''وہ تمہیں مل جائے گا' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اب اٹھو بچے۔ کھانا کھاؤ' اور کپڑے بدلو' پھر اپنے کلینک جاؤ' خود کو کام میں مصروف کرو۔''

مگر وہ ان کے پہلے الفاظ پہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ ''آپ.... وعدہ کرتے ہیں؟'' مایوسی کے آسمان پہ امید کا تارہ سا چمکا تھا۔

''ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔'' انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر یقین دلایا تھا۔ آبدار کی آنکھوں سے آنسو غائب ہونے لگے' اور ان کی جگہ الجھن نے لے لی۔

''مگر.... کیسے؟''

''تم مجھے بتاؤ.... کیسے؟ وہ کیسے آئے گا تمہاری زندگی میں؟''

''وہ جب تک اس کی زندگی میں رہے گی' وہ مجھے نہیں ملے گا بابا۔'' تارہ ڈوبنے لگا۔

''وہ اس کی زندگی سے چلی جائے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں وہ چلی جائے گی۔''

آبدار کی ان پہ جمی آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ ''کیسے؟ آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے رات اس کو دیکھا تھا۔ زمرکو۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ سعدی یوسف کے کیس سے متعلق۔ چہرے پڑھنے آتے ہیں مجھے۔ وہ اسے چھوڑ دے گی بہت جلد۔''

''آپ نے اسے کچھ کہا تو نہیں؟ بابا پلیز آپ ان کو کوئی دھمکی وغیرہ نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ میں.....''

''نہیں' میں کیوں کچھ کہوں گا؟ مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں' وہ اس کو چھوڑ دے گی۔''

''کیا اس نے خود ایسا کہا؟'' آبی کا دل اٹک گیا تھا۔

''نہیں' اسے ابھی خود بھی معلوم نہیں مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں بیٹے' میں لوگوں کو اخبار کی طرح پڑھتا ہوں' ساری زندگی پڑھتا آیا ہوں۔ وہ ...اسے...چھوڑ دے گی!'' پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اب فریش ہو جاؤ' میں ڈائننگ ٹیبل پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔''

آبدار کے لبوں پہ نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھنے لگی۔ قدموں میں بالکل جان نہیں تھی۔ جانے کب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہارون اب اسے سہارا دے کر کھڑا کر رہے تھے۔ چند دن میں ہی وہ اتنی کمزور نظر آنے لگی تھی۔

❖❖❖

وحشتیں بڑھتی گئیں ہجر کے آزار کے ساتھ ..... اب تو ہم بات بھی کرتے نہیں غمخوار کے ساتھ

دانتے کی جہنم جیسا احاطہ عدالت آج بھی لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ نوشیرواں کا ردار کو سپاہی ہتھکڑیوں میں مقید کیے اپنے ساتھ چلاتے لا رہے تھے۔ وہ اسی ویسٹ میں ملبوس تھا جس میں ساری رات لاک اَپ میں بیٹھے کاٹی تھی۔ سردی کے باوجود آستین چڑھا رکھے تھے۔ چہرے پہ سنجیدہ تاثر تھا اور آنکھیں شب بیداری کے باعث گلابی پڑ رہی تھیں۔ سامنے سے انسان چلے آ رہے تھے۔ بے نیاز' تیز تیز چلتے ہوئے۔ عجیب خوفناک لوگ۔ اور پھر ان کا شور ہی شور۔ وہ سامنے دیکھ کر نہیں چل رہا تھا' نظریں جھکی تھیں۔ اسے راہداری میں چلتے اپنے قدم نظر آ رہے تھے۔ ساتھ میں ہاشم کے چمکتے بوٹ بھی۔ سپاہیوں کے رگڑ رگڑ کر پالش کیے جوتے بھی۔ آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ وکلاء کی فوج ان کے ہمراہ تھی۔ سامنے کھڑے صحافی اور کیمرہ مین سوالوں کی بوچھاڑ کرتے الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے۔

''ہاتھ اٹھا کر وکٹری کا نشان بناؤ اور مسکرا کر یہاں سے گزرو۔'' ہاشم نے قریب میں سرگوشی کی۔ اس نے ایک نظر اٹھائی اور جبراً مسکراہٹ لاتے وکٹری کی دو انگلیاں اوپر اٹھائیں۔ ایک رات لاک اپ میں کاٹنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس برزخ سے اسے ہاشم کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا اس لیے وہ اس کا ہر حکم ماننے کا پابند تھا۔

صحافیوں کا ہجوم ایک جگہ آ کر رکنا تھا' رک گیا' وہ لوگ آگے بڑھتے گئے۔ شیرو نے وکٹری کی انگلیاں گرا دیں۔

''یہ ہمارے انویسٹرز کے لئے تھا' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم پر اعتماد ہیں۔'' ہاشم اسے کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں سن رہا تھا۔ نظریں پھر سے جھکا دی تھیں۔

''زیادہ سے زیادہ سات دن تک رہنا پڑے گا تمہیں لاک اَپ میں' پھر جیل بھیج دیں گے۔ اس کے بعد میں ضمانت کروا لوں گا' مگر ان سات یا دس دن میں تمہارا اندر رہنا بہتر ہے۔ optics کے لئے یہ اچھا ہے۔ کوئی بھی خبر میڈیا پہ اس سے زیادہ نہیں شور مچاتی۔ خبر دب

جائے گی' لوگ تھک کر چپ ہو جائیں گے۔ان سات دنوں میں ہم تین پارٹیز دیں گے' مختلف جگہ چیریٹی گیدرنگز میں جا کر پیسہ لٹائیں گے۔ یونو۔optics کے لئے۔ چند ایک photo -ops کے بعد ہمارا امیج اور ہماری خیرات اس سارے گند کو دبا دے گی۔صرف سات دن شیرو....''

الفاظ مدھم ہو رہے تھے....کٹے کٹے سنائی دے رہے تھے۔وہ بالکل سر جھکائے چلتا رہا۔وہ ہاشم کو نہیں بتا سکتا تھا کہ لاک اَپ کی ایک رات نے اسے ذہنی طور پہ کتنا پیچھے دھکیل دیا تھا۔وہ رات کتنی ڈراؤنی تھی۔کتنی خوفناک تھی۔ ہر جگہ زیرِ تعمیر گھر میں بہتا خون کا تالاب نظر آتا تھا۔اور....وہ چہرہ....وہ نیچے گرے' بوٹ کی ٹھوکروں سے زخمی لڑکے کا لہولہان چہرے کے ساتھ کہنا....اللہ حساب لے گا....

نوشیرواں نے چہرہ اٹھایا۔فضا میں مانوس سی خوشبو تھی۔کافور کی سی۔باسی گلاب کی خون آلود پتیوں کی سی مہک۔اس نے سر اٹھایا۔ سامنے' ایک دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔زمر اور سعدی۔وہ دونوں چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی نظریں سعدی سے ملیں۔ان میں نفرت تھی۔تپش تھی۔اور ایسے زخم تھے جن کو مندمل ہونے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔

''میں دیکھ لوں گا تم سب کو۔'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر تنفر سے کہا تھا۔سعدی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔''تم لوگوں کو بیس سال عدالت میں نہ لٹکایا تو دیکھنا۔'' اور شیرو کا منظر بدلتا گیا۔راہداری آگے بڑھتی گئی۔وہ دونوں خاموش کھڑے مجسمے پیچھے رہ گئے....

❖❖❖

ایسا ہے کہ سینے میں سلگتی ہیں خراشیں ..... اب سانس بھی ہم لیں گے تو اچھا نہ کریں گے

سردی کا زور ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہوتا جا رہا تھا۔جیل کے احاطے پہ گرتی سنہری روشنی سلاخوں سے لپٹ لپٹ کر ان کو پگھلا رہی تھی۔چند اہلکاروں اور سادہ لباس میں موجود افسران کی معیت میں نوشیرواں کاردار چلتا ہوا صحن میں آگے بڑھ رہا تھا۔جیل کا اے بلاک اصولاً صرف اے کلاس قیدیوں کے لئے ہونا چاہیے تھا مگر یہاں ہر طرح کے قیدی تھے اور وہ اتنے کوئی خاص پڑھے لکھے اور خاندانی نہیں لگتے تھے۔برآمدوں میں کھڑے قطار در قطار سفید پیلے لباس والے قیدی سرگوشیاں کرتے اس نوجوان کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔وہ کوشش کر رہا تھا کہ ان کو نہ دیکھے مگر پیشانی پسینے میں تر تھی' اور دل کی دھڑکن تیز تھی۔اسے شدید گرمی لگ رہی تھی مگر وہ اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔

راہداری میں سے گزرتے اس نے سلاخوں والے دروازوں کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے لوگوں کو چبھتی آنکھوں سے خود کو دیکھتے پایا۔اور جانے کہاں سے وہ آواز کان میں پڑی۔

''اس نے فارس غازی کے بھانجے پہ گولی چلائی تھی۔''

نوشیرواں کے حلق میں کچھ اٹکا۔قدم لڑکھڑائے مگر وہ چلتا رہا۔

''اس نے غازی کے بھائی اور بیوی کو مارا تھا۔''

وہ نہیں کہہ سکا کہ ایسا نہ تھا۔کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

مختلف راہداریوں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے اس نے لوگوں کی بہت سی باتیں سنیں۔وہ اس پہ ہنس رہے تھے' غصہ کر رہے تھے' اسے غازی کا مجرم گردان رہے تھے۔وہ اسے گالیاں دے رہے تھے۔ماں کی۔بہن کی۔بیٹی کی۔وہ اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔

اس کی بیرک آ گئی تھی۔

وہ صاف ستھرا کشادہ سا کمرہ تھا۔بیڈ' صوفے' روم ریفریجریٹر' اے سی' اٹیچ باتھ' ایل سی ڈی ٹی وی' ڈی وی ڈی پلیئر' سب میسر تھا وہاں۔اہلکار اس کو بستر پہ آرام کرنے کا کہہ کر اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔نوشیرواں سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھتا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔وہ خاموش تھا۔بالکل گونگوں کی طرح خاموش۔

ایک گالی کا برداشت کر لینا انسان کو کتنی گالیوں سے بچا لیتا ہے۔ کاش وہ ایک گالی برداشت کر لیتا۔

❖❖❖

اے دل ذرا سی جرأت رندی سے کام لے ..... کتنے چراغ ٹوٹ گئے احتیاط میں

ڈاکٹر سارہ اپنے آفس میں گردن جھکائے بیٹھی' میز پہ رکھی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی جب دروازہ ذرا سی آہٹ سے کھلا۔ سارہ نے قلم دانتوں میں دبائے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو ٹھہر گئی۔ قلم دانتوں سے نیچے گرا۔ چہرہ ساکت ہو گیا۔

چوکھٹ میں سعدی کھڑا تھا۔ اور وہ پرانا سعدی بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ جینز کے اوپر جیکٹ پہنے' وہ آنکھوں میں چبھتی ہوئی تپش لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سعدی!'' اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

''تو یہاں چھپی ہوئی تھیں آپ؟'' اس کا لہجہ بھی بدلا ہوا تھا۔ سارہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ رنگت پھیکی پڑی۔

''سعدی!''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ میں یہاں اپنی جاب واپس لینے بھی نہیں آیا۔'' وہ اس پہ برہم نگاہیں جمائے چند قدم آگے آیا۔ ''میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں ڈاکٹر سارہ غازی کہ آپ میرے حق میں گواہی دیں گی یا نہیں؟''

''تم مجھ سے میرا حال بھی نہیں پوچھو گے؟'' اس کو دکھ ہوا۔

''نہیں' کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ عافیت سے ہوں گی۔ یہ عافیت جو آپ نے خاموش رہنے کے عوض چنی تھی یقیناً دیرپا ہو گی۔ میں ادھر قید میں مر رہا تھا' اس سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سو میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ.... گواہی.... دیں گی.... یا نہیں؟'' وہ زور دے کر بولا۔ اتنے مہینے بعد ملاقات ہو رہی تھی اور پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں سعدی!''

''میں بھی بہادر نہیں ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے میں نے کتنی راتیں جاگ کر گزاری ہیں صرف خوف کے عالم میں۔ سو مجھ سے بہادری کی بات مت کیجئے۔ میں صرف یہی بتانا چاہتا تھا۔ کورٹ آپ کو بلائے گی۔ اور آپ کو آنا ہو گا۔ اگر آپ اپنی مجرمانہ خاموشی کا مداوا کرنا چاہتی ہیں تو آپ آئیں گی ورنہ میرے خاندان اور خود مجھ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔''

''تم اتنے سخت دل کیسے ہو سکتے ہو سعدی!'' وہ افسوس سے بولی تھی۔

وہ ایک دم تیزی سے آگے آیا۔ ''میں نے.... بھروسہ کیا آپ پر.... آپ کو ایک قیمتی چیز دی۔ آپ نے اس کو بھی کھو دیا۔ آپ نے میرے لئے گواہی بھی نہ دی۔ اگر اس وقت آپ کچھ بول دیتیں تو حنین.... میرے گھر والے.... وہ اتنے ماہ ہاشم کے قریب نہ رہتے۔ اس لئے دل کی سختی کی بات مجھ سے مت کریں۔ اور فیصلہ کریں۔'' ایک قہر آلود نگاہ اس پہ ڈال کر وہ باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کر دیا۔ سارہ فکرمندی سے وہیں کھڑی رہ گئی۔

❖❖❖

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی ..... دنیا تو لطف لے گی مرے واقعات میں

تیز دھوپ میں بینک کی عمارت جھلس رہی تھی۔ بیرونی سیڑھیاں اترتا پی کیپ سے چہرے پہ سایہ کیے کرنل خاور والٹ جیب میں ڈالتا چلا آ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے زینے اترتے اچنبھے سے موبائل نکالا پھر دھوپ کے باعث اسکرین پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا۔

جلتا بجھتا نمبر شناسا سا تھا۔ بہت شناسا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ تیزی سے فون کان سے لگاتا' مگر محتاط سا ''ہیلو'' کہتا کار کی طرف آیا۔

''خاور!'' میں بول رہا ہوں!'' ہاشم کی سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔ خاور کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے.... جذبات.... دکھ.... مگر جب بولا تو لبوں سے بس اتنا نکلا۔

''یس سر!''

''میں جانتا ہوں تم کہاں ہو' تمہارا نمبر بھی ٹریس کروالیا ہے' لیکن.... میں کسی کو تمہیں پکڑنے نہیں بھیج رہا'' وہ رکا۔ اس کی آواز دھیمی تھی اور تاسف انگیز تھی۔

''خاور.... میں بہت اکیلا ہوں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ شیروجیل میں ہے اور چیزیں میرے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر!'' وہ چلتے چلتے سایے میں کھڑی کار تک آ گیا تھا۔ ایک دم جیسے سکون سا آ گیا جھلساتی دھوپ سے سائبان مل گیا ہو۔

''مجھے ہر حالت میں اس کیس کو.... یوسف خاندان کو.... کچلنا ہے۔ تم میری مدد کرو گے؟ ہر بات بھلا کر۔ جو میں نے تمہارے ساتھ کیا' میں جانتا ہوں تم مجرم نہیں تھے' اگر تم اس سب کو بھلا سکو تو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ ایوبیہ والے کاٹیج میں.... کل شام پانچ بجے کے قریب.... اگر تم دوبارہ میرے لئے کام کرنا چاہو تو میں انتظار کروں گا تمہارا۔''

''جو حکم سر!'' خاور کی آواز بھیگ گئی تھی۔ ہاشم کی کال بند ہو چکی تھی اور وہ اس سائبان میں کتنی ہی دیر کھڑا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی نمی تھی مگر چہرے پہ طمانیت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان پہ ڈالی' پھر کار میں بیٹھا۔

کار چلانے کی بجائے وہ موبائل پہ ای میل چیک کرنے لگا۔ دو دن قبل کی موصول ہوئی ای میل جسے وہ بارہا پڑھ چکا تھا' ایک دفعہ پھر کھولی۔

''میں جانتا ہوں تم میری میل ضرور پڑھو گے۔ وقت تمہارے ہاتھ میں ہے خاور' چوائس تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اپنے تمام گناہوں کا کفارہ دینا چاہتے ہو تو کاردارز کے خلاف گواہی دو۔ میرے حق میں گواہی دو۔ ہم تمہیں دو قتلوں کے لئے معاف کر دیں گے۔ تمہارا دامن صاف ہو جائے گا۔ وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔

سعدی یوسف خان''

''تم سے معافی مانگی کس نے ہے؟'' اس نے نفی میں سر جھٹکتے ہوئے تنفر سے کہا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔ گاڑی میں ایک دم حرکت سی بیدار ہوئی تھی' جیسے منجمد ہوئی وفا ایک لمحے میں جاگ اٹھتی ہے۔

❖❖❖

یہ بستی ہے ستم پروردگاں کی ..... یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

شام شہر کے دوسرے حصے پہ بھی ٹھنڈی سی پھیل رہی تھی۔ اس آفس میں خاصا رش تھا۔ لوگوں کی چہل پہل' کیبن کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے ورکرز' شور' آوازیں۔ ایک آفس کے شیشے کے دروازے بند تھے اور اندر سفاری سوٹ میں ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا' ریسیور کان سے لگائے تیز تیز پنجابی میں کچھ کہے جا رہا تھا۔ سامنے دو کرسیوں میں سے ایک پہ سعدی بیٹھا تھا۔ آگے ہو کر۔ مضطرب' بے چین۔ دوسری پہ فارس پیچھے ہو کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' آرام دہ انداز میں بیٹھا' مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسل رہا تھا۔

''ہاں جی' میں فائل ملتے ہی آپ کو خبر کرتا ہوں۔ اچھا جی۔'' اس نے ریسیور رکھا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہو کر سعدی کو

مخاطب کیا۔ ''ہاں جی۔ سعدی یوسف صاحب۔ یہ شو شروع ہونے سے پہلے کا ایک گھنٹہ ہے اور اس وقت میں عموماً کسی سے ملتا نہیں' لیکن خصوصی طور پہ آپ کو بلایا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہوں کہ اہم بات کرنی ہوگی۔'' وہ عینک اتار کر میز پہ رکھتے مصروف مگر خشک سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے آپ کے سیکرٹری نے فون پہ کہا تھا کہ آپ میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔'' سعدی نے سنجیدگی سے کہا۔ بار بار وہ فارس کو دیکھتا تھا جو بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

''ہاں جی' ایسا ہی ہے۔ دس بجے کے شو کے ٹی آر پی زآپ جانتے ہیں کیسے آسمانوں سے بات کرتے ہیں' اوپر سے ملک کا نمبر ایک چینل ہے' اور میری شکل اور ساکھ سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔''

''جیلانی صاحب' مجھے دوسرے چند چینلز سے بھی کال آئی ہے۔'' سعدی درمیان میں تیزی سے بولا۔ ''لیکن میں آپ سے ملنے اس لئے آیا ہوں کیونکہ میں اپنی کہانی صرف ایک دفعہ سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایسے شو اور ایسے چینل پہ جہاں مجھے لگے کہ واقعی پورا ملک مجھے دیکھ اور سن رہا ہے۔''

''بالکل جی' ویسے بھی اگلے ہفتے سے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا ہے' آپ کی کہانی کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں ہوگا' بعد میں اگر کیس چلتا ہے تو عدالت میڈیا ٹرائل پہ پابندی لگا دے گی' اور آپ انٹرویو نہیں دے سکیں گے' یہی وقت ہے آپ کو اپنی کہانی بیچنی ہے۔ میرے دو شوز.... ایک میں بات کور نہیں ہوتی نا۔ سو دو شوز کریں گے ہم.... اس منگل اور بدھ کو.... دو شوز میں آپ اسٹار بن جائیں گے۔ سوشل میڈیا سے نکل کر آپ ہر شخص کے گھر تک جا پہنچیں گے۔''

''او کے!'' سعدی نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ پھر فارس کو دیکھا۔ وہ خاموش بے نیاز سا لگ رہا تھا۔ شاید لبوں میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ پھر تیس لاکھ جمع کرا دیں' لیکن کیش کی صورت میں۔ بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز میں کسی کو دیتا نہیں ہوں' مسئلے ہو جاتے ہیں بعد میں۔ یہ میرا ایڈریس ہے' آپ ادھر پیسے لے آیئے گا' اسی ہفتے پھر ہم منگل اور بدھ کے دو شوز کر لیں گے۔'' کاغذ پہ پتہ لکھ کر اس نے سعدی کی طرف بڑھایا جو پلک جھپکے بنا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''تیس لاکھ کس چیز کے؟''

''چلو جی!'' جیلانی نے اکتا کر پہلو بدلا۔ ''دیکھو بیٹا' میرے شو کا وقت ہونے والا ہے' اب فضول کی بحثوں اور جائز ناجائز کے چکروں میں پڑنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس' نہ توانائی ہے۔ بغیر پیسوں کے یہاں کوئی تمہیں شو میں نہیں بلائے گا' میرے جیسا اینکر تو کبھی بھی نہیں۔ اوہ بیٹا....'' پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ''اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے' پرائم ٹائم پہ اشتہار چلوانے نا.... تیس سیکنڈ کے اشتہار کو ایک دفعہ چلوانے کی تین لاکھ سے کم فیس نہیں ہوتی۔ صرف ایک دفعہ کی بات کر رہا ہوں میں۔ یہ موبائل کمپنیاں' شیمپو والے یہ لوگ' روز کے کروڑوں کے اشتہار چلواتے ہیں۔ میں تمہیں پرائم ٹائم کے دو گھنٹے دے رہا ہوں' تیس لاکھ اس لحاظ سے کم ہیں مگر چونکہ تم نے اتنی جرات کا مظاہرہ کیا ہے' اتنا ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ اس لئے یہ رعایت ہے تمہارے لئے۔ آگے تم سوچ لو۔ کاروبار کے خلاف اپنی کہانی بیان کرنے نکلو گے تو بغیر پیسوں کے کوئی اسٹوڈیو میں گھسنے بھی نہیں دے گا۔''

سعدی اٹھا' اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ فارس دھیرے سے کھڑا ہوا مسکرا کر جیلانی صاحب سے ہاتھ ملایا۔ ''میں اسے سمجھا دوں گا۔ ہم پیسوں کا بندوبست کر لیں گے۔ آپ شو کی تیاری رکھیں۔'' متانت سے کہہ کر وہ اس کے پیچھے آیا۔

وہ تیز تیز پارکنگ ایریا میں چلتا جا رہا تھا۔ باہر آسمان اب گہرا سیاہ ہو رہا تھا۔ اکا دکا تارے بھی ابھرنے لگے تھے۔

''سعدی!'' وہ کار تک پہنچا تو فارس تیز تیز چلتا اس سے آملا۔ ''ہم پیسے دے سکتے ہیں' ہمارے پاس ہیں پیسے!''

سعدی نے بے یقینی اور دکھ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں اس شخص کا دوبارہ نام بھی نہیں سننا چاہتا۔ اور کیوں دیں ہم پیسے؟ میں انصاف لینے اس لئے نکلا تھا تاکہ مجھے کوئی غلط کام نہ کرنا پڑے' تاکہ میں قانون کا راستہ اپناؤں' فرنٹ ڈور سے اپنی منزل میں داخل ہوں۔ نہیں استعمال کرنے مجھے یہ بیک ڈورز۔'' شدتِ غم سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ ''اور آپ وہاں بالکل خاموش بیٹھے۔ رہے۔ ایک لفظ نہیں بولے اور نہیں تو دو چار مکے تو جڑ ہی سکتے تھے اس اینکر کو۔''

''استغفراللہ' میں شریف آدمی ہوں۔ ایسا کیوں کرتا؟'' وہ خفا ہو کر کہتا گھوم کر ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ سعدی اسی طرح غم و غصے سے پیر پٹخ کر رہ گیا۔

.....❖❖❖.....

سیل کی رہگزر ہوئے' ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے ..... کیسی عجیب پیاس تھی' کیسے عجب سحاب تھے!

اوائل مارچ کی وہ شام اپنے نیلے اندھیروں میں ڈھیروں تارے ٹانکے چھایا بنی کھڑی تھی۔ موسم سرد اور خنک تھا۔ ساکت۔ جامد۔

ہاشم کاردار خوبصورتی سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ صوفے شام کے اندھیروں جیسے نیلے تھے اور ان پہ سنہرے اجلے اجلے سے کشن رکھے تھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے' گرے سوٹ میں ملبوس' وہ گاہے بگاہے کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا.....

ایوبیہ کی اس آبادی سے دور گھنے درختوں سے ڈھکی وادی میں اونچائی پہ بنا وہ خوبصورت بنگلہ گہری شام میں روشن نظر آتا تھا۔ خاور نے باہر سڑک پہ کھڑے' گردن اٹھائے اس بنگلے کی روشن کھڑکیوں کو دیکھا.....

ہاشم کاردار منتظر خاموش سا صوفے پہ بیٹھا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ وال کلاک کو بھی دیکھتا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا' مگر وقت نکلا جا رہا تھا۔ جانے کتنی دیر لگے اسے آنے میں۔ وہ سوچ رہا تھا.....

سڑک پہ کھڑا خاور بہت امید سے اس گھر کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ہاشم اس کو صرف اس لئے دوبارہ رکھنے پہ مجبور ہوتا کہ وہ گواہی نہ دے ڈالے۔

ہاشم اب صوفے سے اٹھا اور ایک دفعہ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں.....

''نہیں!'' خاور نے دور نظر آتے بنگلے کو دیکھتے ہوئے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ ہاشم کو اس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔ وہ اس کو اس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ اس کو اس کی خدمات کے عوض واپس بلا رہا ہے۔ وہ اس کا مالک ہے۔ اور اس غلامی پہ اسے فخر ہے۔ خاور کی گردن اکڑ گئی۔ دل میں سکون سا اتر گیا.....

ڈرائنگ روم میں ٹہلتا ہاشم اب سوچتے ہوئے دو انگلیاں گال کے زخم پہ پھیر رہا تھا جہاں صبح شیو کے دوران کٹ لگا تھا۔ وہ گہری سوچ میں تھا' گویا درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا.....

خاور سڑک پہ قدم قدم آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ بنگلے کا آہنی گیٹ آن پہنچا۔ وہ کھلا تھا۔ کوئی ملازم' کوئی گارڈ نہ تھا' اور ایسا صرف تب ہوتا تھا جب گھر کا کوئی فرد وہاں ہوتا تھا۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔ اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ اس خاندان کو وہ کتنے اچھے سے جانتا تھا۔

ہاشم ابھی تک دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا' جب وہ رکا۔ باہر لابی سے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ بڑھتے قدم سنائی دے رہے تھے۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔ بالآخر.... انتظار ختم ہوا.....

خاور بنگلے کے برآمدے تک آ پہنچا تھا۔ اسے اب کسی کا ڈر نہ تھا۔ ہاشم کی آواز کا وثوق' یقین' مان.... اسے اس پہ بھروسہ تھا۔ اس نے

مرکزی دروازہ کھول کر دھکیلا۔لکڑی کا پٹ چرچراتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔اندر روشنی تھی مگر سامنے کوئی نظر نہ آتا تھا۔خاور سر سے اونی ٹوپی اتارتا اندر داخل ہوا....اسی لمحے پیچھے سے اس کی گردن میں کوئی نوکیلی شے آ کر لگی۔وہ بے یقینی سے واپس پلٹا' مگر ٹریگولائزر ڈارٹ کا اثر روشنی کی رفتار سے اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔گھٹنوں کے بل، بے یقین' دنگ چہرہ اٹھایا۔تو دھندلا سا نظر آیا۔سامنے سٹنگ روم سے کوئی چلتا آ رہا تھا....خاور نے پلکیں جھپکائیں۔

''ہاشم!''لبوں سے بدقت نکلا مگر وہ دیکھ سکتا تھا کہ آنے والا ہاشم نہ تھا۔

''ہیلو کرنل خاور۔مجھے احمر شفیع کہتے ہیں۔اور رہے ہاشم صاحب' تو وہ اس وقت اسلام آباد میں ہیں....اور ان کو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ سونی کی دوست کی سالگرہ میں شرکت کرنے جانا ہے۔''

ادھر اسلام آباد میں شہرین کے گھر کے سٹنگ ایریا میں ٹہلتا ہاشم آوازیں سن کر ٹھہر گیا تھا۔دفعتاً دروازہ کھلا اور دو ملازموں کے ہمراہ شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔دونوں سجی سنوری اور خوبصورت لگ رہی تھیں۔سونی بابا کہتے ہوئے فوراً سے اس کی طرف بھاگی۔

''اتنی دیر لگا دی تم نے۔میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔''وہ سونی کو اٹھا کر اس کے گال چومتا بظاہر مسکرا کر مگر درحقیقت دبے دبے غصے سے شہری سے بولا تھا۔

''میری اسٹائلسٹ کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔اب چلیں۔''وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنا سیل فون بیگ میں ڈال رہی تھی۔وہ سونی کو اتار کر اس کے قریب گیا۔

''آئندہ اس طرح کے دعوت نامے قبول کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا کرو۔''

شہری نے اچنبھے سے مسکارے سے لدی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔''کیوں؟''

''کیونکہ لوگ ہمارے بارے میں۔شیرو کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔میں نہیں چاہتا کہ سونی کچھ سنے۔''وہ دبی آواز میں گھرک کر بولا تھا۔

''ایسے کام کرنے سے پہلے سوچا کرو نا۔''وہ ناک سکوڑ کر بولتی آگے بڑھ گئی۔وہ جو کوفت زدہ کھڑا تھا سونی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا اور اس کے ہمراہ دروازے کی طرف بڑھ گیا.....

خاور کی آنکھ کھلی تو منظر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس نے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھنا چاہا' مگر....دھندسی دھند تھی۔نمی سی نمی تھی۔وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ڈکٹ ٹیپ سے۔کہنیوں سے گھٹنوں تک سلور ٹیپ لپیٹ لپیٹ کر اس کو جکڑا گیا تھا۔اس نے آنکھیں بار بار جھپکتے گردن جھکائی۔سخت سردی میں وہ بغیر سوئیٹر حتیٰ کہ بغیر شرٹ کے بیٹھا تھا۔جینز' جوتے جرابیں' سب اسی طرح پہنے ہوئے تھے مگر کندھے برہنہ نظر آتے تھے۔اس نے پھر سے چہرہ اٹھایا۔

آج بھی سامنے....دور....ایک مرد اور عورت کھڑے تھے....مگر آج وہ فوڈلی ایور آفٹر کے کچن میں دشمن کے سامنے قید نہیں کھڑا تھا۔آج مقابل اپنے تھے.....

''ہاشم!''اس کے لبوں سے پھنسا پھنسا سا نکلا آنکھوں میں' دل و دماغ میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔

''ہاشم کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو' خاور!''مسکراتی ہوئی جواہرات آگے چلتی آئی۔احمر وہیں کھڑا رہا۔ہاتھ باندھے۔خاموش۔

''ہاشم نے....مجھے بلایا تھا۔''

''ہاشم نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔''وہ شیرنی کی سی آنکھیں اس پہ جمائے مسکرا کر بولی تھی۔احمر قدم قدم چلتا سامنے آیا۔

''وہ کال میں نے کی تھی۔ ہاشم کی چند ریکارڈنگز سے الفاظ توڑ توڑ کر نکالے' ان کو جوڑا' اور تمہیں سنوا دیا' کرنل خاور۔ کمال طریقہ تھا۔

اور تمہارا ہی تھا۔ تم سے ہی سیکھا ہے۔ ایسے ہی کبھی تم نے زمر کو بھی کال کیا تھا نا۔ کال پہ کسی اپنے کی پورے یقین سے کہی ہوئی بات پہ سب یقین کر لیتے ہیں۔ آج تم نے بھی کر لیا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور خاور.... اس کی مندی مندی آنکھیں سوچ سے مزید سکڑ رہی تھیں۔

''مارنا.... مارنا چاہتے ہو تم لوگ مجھے؟ تاکہ تم.... تم میری جگہ لے لو۔ اور آپ.... اس نے سرخ آنکھوں کا رخ جواہرات کی طرف پھیرا۔'' میں تہیہ کر چکا تھا' ہاشم کو سب بتا دوں گا۔ سعدی یوسف گواہی دے گا۔ پھر وہ مان جائے گا کہ تم نے.... جواہرات کاردار.... تم نے مارا تھا اپنے شوہر کو۔''

جواہرات کی مسکراہٹ میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ احمر بھی سپاٹ چہرہ لئے کھڑا رہا۔

''میں سمجھ گیا تھا۔ قید میں اتنے دن رہ کر میں سمجھ گیا تھا۔ تم تھیں اس رات ان کے ساتھ۔ اور اگر تم مجھے زمین بھر سونا بھی پیش کرو' میں تب بھی ہاشم کو ضرور بتاؤں گا اور اگر تم....'' حقارت سے احمر کو دیکھا۔'' تم مجھے مار بھی دو تب بھی مجھے فخر ہے کہ میں اپنے مالک کی وفا میں جان دوں گا۔''

جواہرات نے مسکرا کر احمر کو دیکھا' اور پھر باہر نکل گئی۔ احمر اس کے پیچھے آیا۔ باہر شام گہری تاریک ہو چکی تھی۔ آسمان پہ جھلملاتے ہوئے تارے افشاں کی طرح بکھرے تھے۔

برآمدے میں کھڑے جواہرات نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔

''اس کو خاموش کروانا ضروری ہے۔ کر لو گے نا؟''

''آپ فکر نہ کریں' جواہرات!'' اس نے سر کو خم دے کر کہا۔ پھر ملکہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پورے یقین سے بولا۔'' اتنا بوجھ دل پہ لے کر نہ پھرا کریں مادام۔ اگر راز شیئر کیا ہے تو مجھ پہ بھروسہ بھی کریں۔''

''بھروسہ تھا تو بتایا ہے نا!'' اس نے جھرجھری لی۔'' اب میرے سر کا تاج بہت بھاری ہوتا جا رہا ہے۔''

''میری بات سنیں دھیان سے۔'' اس نے آگے بڑھ کر مضبوطی سے جواہرات کے شانوں کو تھاما۔'' اس بات سے نہ ڈریں کہ ہاشم اور نوشیرواں یہ جان جائیں گے تو کیا ہوگا؟ بلکہ اس دن کی تیاری کرنی ہے ہمیں۔ آپ نے.... ایک اچھا کام کیا تھا۔ وہ آدمی ایک درندہ تھا اور درندے کو مار کر آپ نے اپنے بیٹوں کو بچایا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹوں کے لئے قربانی دی تھی۔''

جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔'' وہ دونوں مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔''

''تو میں کس مرض کی دوا ہوں؟'' وہ برا مان کر بولا تھا۔'' ہم مل کر اورنگزیب کاردار کے ایسے ایسے کالے کرتوت ان کے سامنے لائیں گے' ان کے کردار کو اتنا مسخ کر دیں گے' ان کے خلاف اتنا زہر اگلیں گے کہ وہ دونوں ان سے نفرت کرنے لگ جائیں گے' اور اگر کبھی ان کو معلوم ہو بھی جاتا ہے تو وہ آپ کی پوزیشن سمجھ جائیں گے' اور یہ سوچیں گے کہ اچھا ہی ہوا' ان کو نجات دلا دی۔ آپ نے۔''

جواہرات کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھ سے ایک قطرہ ٹوٹ کر گال پہ لڑھکا۔'' کیا ایسا ممکن ہے؟''

''یہ بھی تو ممکن نہیں لگتا تھا۔ آج یہ درد سر بھی ختم ہو جائے گا۔'' اس نے مسکرا کر بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

جواہرات کاردار کے جانے کے بعد وہ اس تنہا پڑے بنگلے کے اندر آیا۔ کچن میں فریج سے ایک باکس نکالا اور اس کمرے میں آیا جہاں خاور بندھا پڑا تھا۔ احمر نے مصروف سے انداز میں ڈکٹ ٹیپ کا ایک بڑا ٹکڑا کاٹا۔

''اب کیا مجھے مار کر پھینکنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ ہونہہ۔ یہ کاردار زمیرے نہیں ہوئے' تمہارے کیا ہوں گے۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا

تھا۔احمر اسی طرح آگے آیا اور ڈکٹ ٹیپ کا ٹکڑا اس کے منہ پہ رکھ کر زور سے چپکا دیا۔وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

''میں تمہاری بک بک' تمہارے OMG's اور ''کیا کیوں کیسے'' نہیں سننا چاہتا' ان باتوں پہ جواب میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں' اس لئے کتنا اچھا ہو کہ تم یوں چپ ہو کر بیٹھو۔خاموش اور بے بس! ہاں ایسے ٹھیک ہے۔'' سامنے آ کر سراہتی نظروں سے اس منظر کو دیکھا' پھر واپس اپنی کرسی پہ آ بیٹھا' اور باکس کھولا۔اندر مختلف شیشیاں' چند کاغذ اور چند سرنجیں رکھی تھیں۔

''تم نے کبھی ہیری پورٹر پڑھی ہے خاور؟ سوری' میں ایسے موقعے پہ اس داستان سے کچھ منقول کر رہا ہوں' اب جب کہ تم اپنی یہ خوبصورت زندگی کھونے والے ہو' یو نو۔'' ایک سرنج کی سوئی شیشی میں چبھو کر وہ اسے اوپر اٹھائے بھر رہا تھا۔''مگر اس میں ایک ٹرم استعمال ہوتی تھی۔اس کا پہلا چیپٹر اسی نام سے ہے۔The Boy Who Lived۔وہ لڑکا جو زندہ بچ گیا۔اون سروائیور۔'' پھر نگاہیں اٹھا کر ان میں زمانوں کی تپش بھر کر خاور کو دیکھا۔'' کہتے ہیں انتقام کے سائیکل میں ہمیشہ ایک سروائیور بچ جاتا ہے اور وہ انتقام لیتا ہے' یوں چکر پہ چکر چلتا رہتا ہے.... چلتا رہتا ہے.... میں.... کرنل خاور.... میں ہوں وہ لڑکا جو بچ گیا تھا!''

خاور کا منہ ٹیپ سے بند تھا مگر کھلی آنکھوں میں اچنبھے اور حیرت کے سارے الفاظ سمٹ آئے تھے۔

''وہ بریگیڈیئر یاد ہے تمہیں کرنل خاور جس کو اس کے پورے خاندان سمیت تم نے قتل کیا تھا؟ تمہیں شک تھا نا کہ امریکہ میں اس کی ایک اور اولاد بھی ہے' کسی دوسری عورت سے جسے وہ چھپا کر رکھتا ہے' اور تمہیں یقین تھا کہ وہ بیٹی ہوگی' مگر تم غلط تھے۔وہ بیٹا تھا۔سلطان بنگش۔ اور وہ میں تھا!'' اس نے شیشی سرنج کی سوئی سے نکالی' جھک کر کاغذ سے کچھ پڑھا' پھر دوسری شیشی اوپر اٹھا کر' سوئی اس میں گھسا کر احتیاط سے مائع سا سرنج کے بطن میں بھرنے لگا۔

خاور کی آنکھیں پھیل گئی تھیں' اور وجود بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

''جب تم نے میرے باپ اور میری ہاف فیملی کو قتل کیا تھا تو میں ایک ٹین ایج لڑکا تھا جو بورڈنگ اسکول میں پڑھ رہا تھا۔میرا باپ اپنی حساس جاب کے باعث اپنی اولاد اور خاندان والوں کے وئیر اباؤٹس مخفی رکھتا تھا' لیکن تم اس رات ہمارے گھر گئے جب سب وہاں موجود تھے' چھٹیوں پہ سب آئے ہوئے تھے۔میں نہیں تھا۔سو میں بچ گیا۔ابا کے رشتے داروں نے ساری پراپرٹی ہتھیا لی' اور ابا کے دوستوں نے مجھے واپس آنے سے روک دیا۔وہ کہتے تھے سلطان' تم بھاگ جاؤ' چھپ جاؤ۔وہ آدمی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ آدمی کون تھا۔میں اتنے برس ایک اَن دیکھے دشمن سے چھپتا رہا۔بھاگتا رہا۔شہر بدلے' اسکول بدلے' پھر جاب بدلی' اور اس ہر مہینے کے ادل بدل نے مجھے احمر شفیع بنا دیا۔Con Man۔'' وہ احتیاط سے شیشی اوپر اٹھائے قطرہ قطرہ اٹھائے سرنج میں بھر رہا تھا۔نظریں اوپر سرنج کے بھرتے پیٹ پہ جمی تھیں۔

خاور کا چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں خون اتر آیا تھا' وہ سختی سے نفی میں سر ہلاتا خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا' مگر گرفت مضبوط تھی۔

''برسوں کی محنت اور کھوج نے مجھے اتنا بتا دیا کہ ساری گتھیاں اور تنگ زیب کا ردار کے گرد جا کر کھلتی ہیں۔میں نے خون کو ان سے متعارف کروایا' ایسے کہ وہ مجھے ملازمت کی پیشکش کریں۔Con Man کبھی کچھ نہیں مانگتا' وہ ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ آپ کو لگے' یہ سب آپ کا ہی آئیڈیا تھا۔وہ خود ہی مجھے سب دیتے گئے۔اور ان کے پاس اتنا عرصہ کام کر کے جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ وہ سب جو تمہیں خود نہیں معلوم!''

شیشی رکھی' کیس بند کیا' اور سرنج پکڑے' اسٹول اٹھائے اس کے سامنے آ کر اسٹول رکھا' اور اس پہ بیٹھا۔پھر اس کی خون آشام آنکھوں میں دیکھ کر سادگی سے بولا۔

''تم نے ہاشم کے کہنے پہ زمر یوسف کو زخمی کیا' اس سے اس کے تمام رشتے چھینے' اس کی شادی کینسل کروائی' اس کا ہر راستہ بند کیا۔

ایسے یہ ہر راستہ بند کرنے والا کام..... یہ کاردار نے پہلی دفعہ زمر کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ چند برس پہلے جب جواہرات کاردار اور ہاشم کاردار کے سیکیورٹی ہیڈ کا انتقال ہوا تھا' تو انہوں نے سوچا کیوں نا ایک نیا سیکیورٹی ہیڈ ڈھونڈا جائے؟ پھر اسے تراشا جائے۔ پھر اس کا ہر راستہ بند کیا جائے تاکہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جائے؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ خاور کا مزاحمت کرتا وجود ٹھہر گیا۔ ساکت۔ ساکن۔

''یہ بڑے لوگ ایسی بڑی بڑی پوشیں دینے سے پہلے امید وار کا ہر راستہ' ہر دروازہ بند کرتے ہیں۔ انہوں نے آٹھ ماہ تم پہ انویسٹ کیا۔ ایک بہادر' دلیر اور زیرک کرنل پہ الزام لگوایا' پھر اسی کے مدعی بن کر' وکیل بن کر اس کو عدالت سے چھڑوایا' اور پھر.....'' اس کی آواز یاسیت سے دھیمی ہوئی۔ خاور سکتے میں تھا۔ ''اور پھر ہاشم کاردار اور جواہرات کاردار نے تمہارے بیٹوں کو مروایا' کیونکہ تم بری ہونے کے بعد ملک سے باہر جانے کا سوچنے لگے تھے۔ یہ کافی نہیں تھا۔ ان کو ایک وفادار آدمی چاہیے تھا۔ جس کا کوئی نہ رہے اور ان کا ہو کر رہے۔ اور الزام ڈالا انہوں نے میرے باپ پہ۔ کرنل خاور' میرا باپ ایک ایماندار اور اچھا آدمی تھا۔ وہ تمہیں' گرفتار ضرور کرنا چاہتا تھا مگر اس نے تمہارے بیٹوں کو نہیں مارا تھا۔ ان کو جواہرات کاردار نے مروایا تھا۔ یہ سارے مافیا باسز' یا ایسے ہی ڈھونڈتے اور تراشتے ہیں اپنا دایاں ہاتھ۔ انہوں نے تمہیں تراشا اور جب تم نے اپنی زندگی کے پہلے قتل کر ڈالے تو وہ تمہاری سب سے بڑی سپورٹ بن کر سامنے آگئے۔ انہوں نے تمہیں اپنی چھایا تلے لے لیا۔ اور تم ان کے کہنے پہ ساری زندگی دوسروں کو قتل کرتے آئے' زندگیاں برباد کرتے آئے۔ ان کے کہنے پہ جنہوں نے تمہارے بچوں کو مروایا تھا۔ اور یقیناً ان کے پاس اس عمل کی بھی جسٹی فکیشن ہوگی۔ تم حیران تھے نا کہ ہاشم نے کیوں یقین کر لیا کہ تم نے اورنگزیب کاردار کو مارا ہوگا؟ کیونکہ اسے لگا تم ان کی حقیقت جان گئے ہو مگر اورنگزیب کو قصوروار سمجھتے ہو۔ وہ یہی پوچھنا تھا تم سے اتنے ماہ۔

وہ یہی جاننا چاہتا تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔ میں اپنی باتوں کا کوئی ثبوت تمہیں نہ بھی دوں' تب بھی جب ان کو سوچو گے تو خود ہی ساری کڑیاں ملتی جائیں گی۔ سب واضح ہو جائے گا۔'' احمر اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔

خاور اسی طرح سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر وہ نیچے ٹپک نہیں رہے تھے۔ وہ بھی ساکت تھے۔

احمر اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

''تمہارے پاس چوائس تھی' تم ہاشم کے پاس واپس آنے کی بجائے عدالت چلے جاتے' اس کے خلاف گواہی دیتے' لیکن تم نے وہی کیا جو تمہاری خصلت تھی۔ اگر تمہارے اندر کوئی خیر ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ دیتا' تو تم خود بھی اس رات فوڈ ایل ایور آفٹر کے کچن میں اس عورت پہ پستول نہ تانتے جس نے فارس کو ٹھنڈا کر کے تمہاری جان بچائی تھی۔ مگر وہ کیا ہے خاور کہ میں ان جیسا نہیں ہوں۔ نہ میں تمہارے جیسا ہوں۔ میں وہ نہیں کروں گا جو تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کرنے جا رہا ہوں۔ ایک تیز' بنا درد کے موت؟ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے اتنا رحم میں تمہارے اوپر کھاؤں گا؟''

اور خاور کو محسوس ہوا کہ اس کے برہنہ کندھوں پہ احمر شفیع نے گلوز والے ہاتھ رکھے ہیں' اور پھر..... گردن کے نیچے..... قدرے نیچے..... سوئی کی نوک چبھی..... درد..... تکلیف..... اور پھر..... جیسے ہر شے راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

یہ وہ دن تھا جب کرنل خاور مظاہر حیات کی ''زندگی'' کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

❖❖❖

دلوں کی روشنی بجھنے نہ دینا ..... وجودِ تیرگی محکم نہیں ہے

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال کی بالائی منزل کی کھڑکیوں سے مارچ کی ٹھنڈی دھوپ سیدھی ٹکرا رہی تھی۔ اندر جھانکو تو کمرے ٹھنڈے لگتے تھے۔ ایسے میں حنین کا کمرہ عجیب ضونہ پیش کر رہا تھا۔ فرنیچر جو دیواروں سے لگا تھا' ذرا آگے کھسکا کر چادروں سے ڈھک دیا تھا' اور کونے میں ایک چھوٹی سیڑھی سی رکھی تھی۔ فرش پہ نیچے ایک بڑی بالٹی' ایک اور دو پینٹ کے ڈبے رکھے تھے۔ وہ خود عام شلوار قمیض پہنے' بالوں

کو کشمیری انداز میں اسکارف میں لپیٹے' آستین پیچھے چڑھائے سیڑھی کے اوپر کھڑی تھی اور سوکھے برش کو بازو اونچا کر کے چھت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرا ہاتھ جا رہا ہے' میں دیوار کے اوپری کونے تک پینٹ کر لوں گی۔'' اس نے چہک کر اطلاع دی۔ نیچے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھے اسامہ نے بہت ضبط سے کھنکار کر اس کی توجہ لی۔

''حنہ' یہ تم کل شام کیا اچانک سے ریسٹورانٹ کے بچے ہوئے ڈبے لے آئی ہو اور اب کہہ رہی ہو کہ تم نے پینٹ کرنا ہے کمرہ۔''

حنہ نے گردن گھما کر نیچے بیٹھے اسامہ کو خفگی سے دیکھا۔ ''تم کیا جانو ادرک کا مزہ۔ جتنی ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس میں نے دیکھی ہیں نا' پتہ ہے ان کے کمرے اتنے خوبصورت کیوں ہوتے ہیں؟ کیونکہ ان میں یہ سفید چٹا پینٹ نہیں ہوتا۔ گورے ہمیشہ اپنی دیواروں کو Tint ضرور دیتے ہیں۔ دروازے وہ سفید رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں الٹا حساب ہے۔'' ناک سکوڑ کر وہ واپس دیوار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مگر حنہ' یاد ہے جب ریسٹورانٹ پینٹ ہوا تھا؟ وہ لوگ ایسے ہی منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کر لیتے تھے' بلکہ پہلے دیوار پہ کچھ رگڑتے تھے' اور بھی بہت کچھ کرتے تھے۔ تم نیٹ پہ پینٹ کے ٹیوٹوریئل کیوں نہیں پڑھ لیتی؟'' سیم نے ہار نہیں مانی تھی۔

''میں نے کوشش کی تھی' وہ اتنے لمبے چوڑے اسباق دہرا رہے تھے' میں نے چھوڑ دیے' ایویں گوروں کے نخرے' یہ کرو وہ کرو۔ اس طرح تو بندہ سال بھر کمرہ ہی تیار کرتا رہے۔ پینٹ کب کرے؟'' پھر لاپرواہی سے سر جھٹکا۔ ''میں تو ایسے ہی کروں گی پینٹ۔ یہ کون سا مشکل ہے۔ بس برش کو پینٹ میں ڈبو کر دیوار پہ اوپر نیچے لگاتے جاؤ۔ واؤ۔'' آنکھیں میچ کر اس نے وہ کارٹون یاد کیے جن میں یونہی مزے سے پینٹ ہو جاتا تھا۔ ''اور پھر دیکھنا' کتنا خوبصورت رنگ چڑھے گا۔''

''مگر کیا وہ رنگ دیرپا بھی ہوگا؟'' چوکھٹ میں قدموں کی آواز آئی' اور پھر اس کی آواز۔ حنین وہیں ٹھہر گئی۔ برش والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔ مڑی نہیں۔ ساکت کھڑی رہی۔ اسامہ جو نیچے بیٹھا تھا' وہ بھی نہیں ہلا' بس سر جھکا دیا۔ وہ سعدی سے ابھی تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔

''گورے ایک بہت اچھی' بہت قابل قوم ہیں' اور جب وہ کہتے ہیں کہ یوں منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کرتے تو وہ صحیح کہتے ہیں۔ وہ ہماری طرح سست اور کام چور نہیں ہوتے۔ اپنا ہر کام خود کرنے اور احسن طریقے سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔'' وہ گردن اٹھائے حنین کے کمرے کی دیواروں کو دیکھتا دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اسامہ اور حنین اپنی جگہ چپ تھے۔ ساکت۔ جامد۔

''خوبصورت رنگ ایسے نہیں چڑھ جاتے۔ ان کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ جان مارنی پڑتی ہے۔ ایک ایک بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے یہ دیواریں.... یہ گھر کی دیواریں اپنے اوپر کسی اجنبی رنگ کو ایسے ہی نہیں چڑھنے کی اجازت دے دیتیں۔'' وہ بنوز گردن اونچی کیے سادگی اور نرمی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی طرف کمر کیے اونچائی پہ کھڑی حنین کی آنکھوں کے کٹورے لباب بھرتے گئے۔ مگر لب ایک دوسرے میں سختی سے پیوست کر کے ضبط کیا۔ سیم کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''دوسری کسی بھی چیز کو رگڑو تو وہ خراب ہوتی ہے' اس کی چمک اور خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے۔ مگر دیواروں کی نہیں۔ گھر کی دیواروں کو رگڑیں کھانی پڑتی ہیں۔ سخت ریگ مال سے ان کو رگڑ رگڑ کر چھلنی کیا جاتا ہے' مگر یہ ہر رگڑ کے بعد پہلے سے زیادہ smooth ہو جاتی ہیں' پھر ان کے سوراخ اور دراڑیں بھری جاتی ہیں۔ فلر سے ان کے زخموں کو مرہم لگایا جاتا ہے۔''

حنین نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے چلے جا رہے تھے۔ سیم سر جھکائے ہولے ہولے سسک رہا تھا۔ چوکھٹ میں کھڑا لڑکا جس کے بال اب پہلے جیسے چھوٹے نہ رہے تھے' اور قدرے بڑھنے کے باعث ان کا اصل قدرتی گھنگریالا پن نظر آنے لگا تھا' اسی طرح ملائمت سے بول رہا تھا۔

''ان دیواروں کو بھی اتنا رگیدنے اور رگڑنے سے درد ہوتا ہوگا' مگر یہ برداشت کر لیتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ یہی اچھا ہے ان کے

لئے۔

پھر ان کے اوپر پرائمر (primer) پینٹ کیا جاتا ہے۔ ہمارے اسے ڈسٹیمپر یا چونا وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ گورے اس کو پرائمر یا seder کہتے ہیں۔ وہ ساری دیوار کو ڈھانک لیتا ہے۔ اس کا پردہ بن جاتا ہے۔ سارے عیوب ڈھک جاتے ہیں' پرانے پینٹ اور نئے پینٹ کے درمیان کی آڑ ہوتا ہے وہ۔ ماضی کو مستقبل پہ اثر انداز ہونے سے روک دیتا ہے۔''

اونچی سیڑھی پہ کھڑی حنہ نے گردن جھکا دی۔ ہاتھ اسی طرف دیوار پہ جما تھا اور آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

''وہ پرائمر پینٹ اگر نہ لگایا جائے تو نئے آنے والے ہر پینٹ کو دیوار کے پلستر کی دیوار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اس مستقبل کے ہر رنگ کو ماضی کے سوراخ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اچھے سے پرائمر لگا دو تو اوپر جو رنگ بھی کرو.... وہ ایسا خوبصورت چڑھے گا کہ سارا گھر چمک اٹھے گا۔ پھر زمین سے رس رس کر خراب چور دراڑوں سے داخل ہوتے پانی سے بھی دیواریں خراب نہ ہوں گی' نہ موسم اثر کرے گا' نہ کسی کا میلا ہاتھ گدلا کر سکے گا اس رنگ کو۔ گھر کی دیواروں کے ایسے پکے اور خوبصورت رنگ یونہی نہیں آ جاتے۔ ان کے لئے بنیاد کو ایک دفعہ تو چھلنی کرنا پڑتا ہے۔''

حنین نے برش کہاں گرایا' وہ کیسے سیڑھی سے جست لگا کر اتری' اسے نہیں علم۔ بس وہ روتی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی اور سعدی کے گلے لگ گئی۔

''بھائی' آئی ایم سوسوری۔ آپ کا قصور نہیں تھا۔ بھائی آئی ایم سوسوری۔''

سیم بھی ایک دم اٹھا اور بھاگ کر ان دونوں کے گرد بازو حمائل کیے سعدی کے کندھے سے لگ گیا۔ وہ بھی روئے جا رہا تھا۔

''بھائی میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ پلیز آپ دوبارہ مت جانا۔''

وہ دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے صرف قد بڑے ہو گئے تھے۔ سعدی ان دونوں سے اونچا تھا' اس کے بازو دونوں سے زیادہ مضبوط تھے۔ وہ دونوں کے گرد بازو حمائل کیے' بیک وقت دونوں کو تھپک رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ نرمی' آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے بھی تم سے لڑنا نہیں چاہیے تھا۔ ایک غلطی کے پیچھے مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ جہاں کتنے لوگ بزدلی سے میرے معاملے سے جان بچا کر نکل گئے اور کتنے لوگ صرف لالچ میں میرا ساتھ دینا چاہتے ہیں' وہاں اتنے ماہ تم لوگ میرے لئے کھڑے تھے!''

مگر وہ دونوں اس کو بولنے نہیں دے رہے تھے۔ حنین روتے ہوئے نفی میں سر ہلاتی بولے جا رہی تھی اور سیم اس کے کندھے پہ ماتھا ٹیکے ہچکیوں کے دوران کہہ رہا تھا.....

''بھائی آپ کا حق تھا مجھ سے لڑنے کا۔ میں نے غلط کیا تھا۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب سے زیادہ سفر (suffer) آپ نے کیا تھا۔''

''بھائی میں کبھی آئندہ یوں نہیں بولوں گا۔ حنہ سے لڑنے کا حق تھا آپ کو۔ وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ موٹی' کالی' بدصورت ہے تو کیا ہوا' وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ مجھے درمیان میں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' اور سیم یہ سب بچوں کی طرح ہلکتے کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا سر تھپکتے تھپکتے ہنس دیا تھا مگر حنین نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''ہم نے بھی اتنا نہیں سوچا کہ آپ کو اتنے ماہ خوشی کا ایک لمحہ بھی نہیں ملا۔ ہمارے پاس تو پھر بھی خوشی کے مل بیٹھنے کے لمحے آئے تھے' مگر آپ نے سفر کیا سب سے زیادہ۔''

''اور میں یوں بولا بھائی جیسے آپ کسی لگژری ٹرپ سے لوٹے ہیں۔ مجھے یوں نہیں....'' وہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ لگے نیچے

بیٹھتے گئے تھے۔وہ ''کوئی بات نہیں۔آئندہ ہم ان باتوں کو اپنے درمیان نہیں آنے دیں گے'' بار بار یہی بات دہراتا جارہا تھا' کبھی جھک کر حنہ کا ماتھا چومتا' کبھی سیم کے بال سہلاتا۔وہ بڑا تھا۔اسے ہی زیادہ ظرف کا مظاہرہ کرنا تھا۔بڑوں کی قربانیاں بھی بڑی ہونی چاہئیں نا۔

مورچال کے باہر دھوپ ڈھلتی گئی یہاں تک کہ بنگلے پہ چھایا سی تن گئی۔اب حنہ کی کھڑکی سے جھانکو تو وہ تینوں چوکڑی مارے فرش پہ بیٹھے تھے۔درمیان میں کوک سے بھرے تین گلاس' کوک کی بڑی بوتل' اور چند ڈبے کھلے پڑے تھے جن میں سے برگر اور فرنچ فرائیز جھلک رہے تھے۔سعدی سر جھکائے کوک کے گلاس میں اسٹرا ہلاتا دھیرے دھیرے سے بول رہا تھا' اور وہ دونوں کھاتے ہوئے سن رہے تھے۔

''ہاشم سمجھا ہم باہر پراپرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں' سو اس کے سارے بندے اسی طرف بھاگے' مگر ہم ایک باتھ روم کے نیچے مین ہول سے سرنگ میں اترے۔اور وہاں سے.....'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا....''سیدھا باہر دو گلیاں چھوڑ کر سڑک پہ نکل آئے۔'' سر جھکائے بولتے اس کے چہرے پہ یاسیت تھی۔

''واؤ!'' سیم برگر کا بھاری نوالہ منہ میں چباتا آنکھیں پھیلا کر بولا تو حنین نے آنکھیں دکھائیں۔(موئے آلو' چپ کرو' وہ تمہیں تکلیف دہ واقعے کا منظر نامہ بتا رہا ہے' کسی ایڈونچر کا نہیں۔) سیم نے جلدی سے نوالہ نگلتے ہوئے چہرے پہ مسکینیت طاری کی۔''اوہ!'' سعدی اس کے بدلے انداز پہ نرمی سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''پھر ہم وہاں سے ایک ٹک ٹک میں بیٹھے اور.....''

''پتہ ہے بھائی' کتنا اچھا ہوتا اگر آپ مسز کاردار کو یرغمال بنا کر ساتھ لے آتے۔چوبیس گھنٹے بعد جو میک اپ اترنے سے ان کی حالت ہوتی.....'' حنہ خود بھی نہ رہ سکی۔بول کر ہنستی چلی گئی۔سعدی نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پہ ہلکا سا تھپڑ لگایا۔

''یوں کرو' تم بول لو' میری خیر ہے۔''

''اللہ! میں نے کیا کیا ہے!''

اور زمر جب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو اس نے دیکھا وہ تینوں اسی طرح ایک ساتھ بیٹھے برگرز کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کو لقمے دے رہے تھے۔چہروں پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان ابھی بھی موجود تھے' اور لبوں سے مسکراہٹیں پھوٹ رہی تھیں۔

''سعدی!'' زمر نے دھیرے سے دروازے پہ دستک دی۔تینوں نے سر گھما کر دیکھا۔حنہ نے فوراً برگر بڑھایا مگر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلاتی کام کی بات پوچھنے لگی ''انٹرویو کا کیا بنا؟ فارس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

''انٹرویو۔ہونہہ۔'' سعدی نے سر جھٹکا۔''تمیں لاکھ مانگ رہا تھا وہ اینکر۔اور فارس ماموں کو دیکھیں' خود کہا تھا کہ تمہارے ساتھ چلوں گا' مگر وہاں جا کر بالکل چپ بیٹھے رہے' اتنا نہیں ہوا کہ دو تھپڑ لگا دیتے اس اینکر کو۔ایک مارنے کا کام ہی تو آتا ہے ان کو' وہ بھی نہیں کیا۔'' خفگی سے واپس گردن موڑ لی۔زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔پھر حنہ کھنکھاری۔''بھائی.....فارس ماموں چپ ہوں تب بھی بہت کچھ کر جاتے ہیں۔ان کو ہلکا نہ لیں۔''

''بالکل۔'' زمر مسکراہٹ چھپاتی واپس چلی گئی۔نیچے آئی تو وہ کچن میں بیٹھا تھا۔موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے فارس۔'' اس نے کرسی کھینچی تو فارس نے نظریں اٹھائیں۔اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''زہے نصیب۔آپ کو میرا نام بھی یاد ہے!''

''تھوڑا بہت تو یاد ہے۔'' وہ ہنس دی۔پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔''سعدی کا انٹرویو ہونا ضروری ہے' وہ اس کے لئے بہت اپ سیٹ ہے اور.....''

''ہو جائے گا انٹرویو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔انداز میں لاپرواہی تھی۔

''مگر کیسے؟'' زمر نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''پیسے دیں گے اور کیا۔مگر اس کے لئے سعدی راضی نہیں ہے سو دعا کریں گے۔کوئی اور حل ہے تو بتائیں مجھے۔''

وہ چپ ہو گئی۔''مگر....کوئی اور طریقہ نہیں ہے کیا؟'' محتاط سے انداز میں پوچھا۔

''کیوں پراسیکیوٹر صاحبہ' قانون پہ یقین ہے نا آپ کو' تو بس میں نے بھی تہیہ کر لیا ہے' کہ اب قانون نہیں توڑنا اور شریف آدمی بن کر رہنا ہے۔ایسے مشکوک نظروں سے کیا دیکھ رہی ہیں مجھے؟ سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ خفگی سے کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔زمر سوچتی نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

.....❖❖❖.....

چند دن بعد

چاک دامن تو خیر سل جاتا ..... چاکِ ہستی کہاں رفو کرتے

سفید دیواروں والے کمرہ عدالت میں دھوپ چھن چھن کر آ رہی تھی۔موسم بتدریج تبدیل ہو رہا تھا۔سردی بہت کم رہ گئی تھی اور خزاں

رسیدہ درختوں پہ نئے شگوفے اور پتے کھلنے لگے تھے۔چبوترے کے سامنے پراسیکیوشن کے بینچ پہ زمر بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی بغور کٹہرے میں کھڑے نوشیرواں کو دیکھ رہی تھی۔دوسری میز پہ ٹیک لگا کر آرام دہ انداز میں بیٹھے ہاشم کاردار کی سنجیدہ نظریں بھی وہیں جمی تھیں۔

عزت مآب اختر مرتضیٰ صاحب بھی اسی سے مخاطب تھے' اور کرسی کا رخ ذرا ترچھا کیے' کاغذ سے پڑھ کر اسے چارجز سنا رہے تھے۔ وہ کٹہرے کے جنگلے پہ ہاتھ رکھے کھڑا' سپاٹ سا نظر آتا تھا۔اس کے چہرے پہ زخموں کے تازہ نشان تھے اور ایک آنکھ نیلوں نیل تھی۔

''کیا آپ نے تمام چارجز سن اور سمجھ لئے؟''

''جی یور آنر!''

''کیا آپ نوشیرواں کاردار، اکیس مئی 2015 کی شام پلاٹ نمبر پندرہ میں سعدی یوسف سے ملنے گئے تھے اور آپ نے ان پہ تین گولیاں چلائیں۔پھر بوٹ کی ٹھوکروں سے ان کو زخمی بھی کیا؟''

زمر کے ساتھ بیٹھے سعدی کی چبھتی نظریں شیرو کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔نوشیرواں نے نگاہیں اٹھا کر حاضرین کو دیکھا اور پھر بلند آواز میں بولا۔''یہ غلط ہے۔میں اس روز دبئی میں تھا۔''

''کیا آپ تمام الزامات سے انکار کرتے ہیں؟''

''جی' میں انکار کرتا ہوں۔مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔میں بے گناہ ہوں۔'' وہ میکانکی انداز میں نیچے بیٹھے ہاشم کو دیکھ کر بولا تھا۔

''کیا آپ innocent plead کرتے ہیں۔''

''جی میں انوسینٹ پلیڈ کرتا ہوں۔''

(اس موقع پہ اگر ملزم صحبتِ جرم کا اقرار کر لے تو اس کے خلاف فیصلہ سنا دیا جاتا ہے' اور اسی وقت سزا بتا دی جاتی ہے۔اگر وہ انکار

کرے تو اسے شفاف مقدمے کا حق دیا جاتا ہے جہاں وہ استغاثہ (الزام لگانے والوں) کے ثبوت وشواہد کا دفاع اپنے وکیل کے ذریعے کرے۔)

''اوکے۔آپ کو فیئر ٹرائل کا حق دیا جاتا ہے۔کیا آپ اپنے خلاف گواہ بننا چاہیں گے۔'' نیچے بیٹھے ہاشم نے نفی میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔نظریں شیرو پہ تھیں۔

''نہیں یور آنر۔میں خاموشی اختیار کروں گا۔'' اس نے اسی انداز میں کہا تھا۔

چند منٹ بعد باہر راہداری میں زمر اور سعدی چلتے جا رہے تھے اور جب وہ بہت دل گرفتہ سا بولا تھا۔''مجھے یقین نہیں آ رہا جج نے کیسے اس کی ضمانت کی درخواست قبول کر لی۔وہ اب گھر چلا جائے گا اور پھر ملک سے باہر۔''

زمر نے نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا۔یوں لگتا تھا وہ برسوں پہلے یونیورسٹی کے موک ٹرائل سے نکلے تھے اور وہ ہیری کے خلاف فیصلہ آنے پہ شدید تلملا رہا تھا۔

''سعدی....اس کو جیل میں پیٹا گیا ہے' اس کی جان کو خطرہ ہے' جج کو اسے جیل سے نکالنا ہی تھا۔''

''ہاشم نے اسے خود پٹوایا ہے۔مجھے یقین ہے۔''

''ظاہر ہے ہاشم نے اسے پٹوایا ہے' ساعت سے پچھلی رات۔مگر ہم یہ باتیں جج کو کہیں گے کہ تو ہم خود ہی جھوٹے لگیں گے۔اس کی ضمانت ہونی ہی تھی۔'' وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

''اگلے ماہ کی تاریخ ملی ہے۔کیسا نظام ہے یہ۔ہم کتنا انتظار کریں گے۔وہ تاریخ پہ تاریخ دیتے جائیں گے۔زمر ایسے تو کبھی انصاف نہیں ملے گا۔'' وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔زمر یک ٹک اس کی زخمی نظروں کو دیکھے گئی۔

''یہ معاملات لمبے چلتے ہیں سعدی۔کوئی بات نہیں' ہم لڑتے رہیں گے۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ سر جھٹک کر خفا خفا سا چلتا گیا۔زمر کے اندر کچھ ڈوب گیا تھا۔وہ بار بار اس پہ ایک فکرمند متحیر سی نظر ڈالتی تھی۔

حنین اور اسامہ کا بھائی گھر آ گیا تھا' یہ تو طے تھا' مگر کیا سعدی یوسف گھر آ گیا تھا؟ وہ کیا کرے؟ اور کیا وہ کبھی گھر آ پائے گا؟ اسے یقین نہیں رہا تھا۔

❖❖❖

ایک تو خواب لیے پھرتے ہو گلیوں گلیوں ..... اس پہ تکرار بھی کرتے ہو خریدار کے ساتھ

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ وہ دوپہر سرد سی تپش لئے سارے کو جھلسا رہی تھی۔سبزہ زار کی طرف کھلتی کھڑکی سے اندر جھانکو تو اپنے کلینک میں آبدار مخصوص کرسی پہ بیٹھی نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔کھڑکی کی طرف اس کی کرسی کی پشت تھی اور یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔سرخ رومال میں بندھے بال' جھکی آنکھیں' زرد رنگت' سوکھے ہونٹ۔وہ اداسی سے سر جھکائے لکھتی جا رہی تھی جب دروازہ کھلا۔

''میں آج مزید کلائنٹس نہیں.....'' اکتا کر بولتے اس نے نظریں اٹھائیں تو رک گئی۔یہاں سے دکھائی دیتے آدھے چہرے پہ واضح حیرانی ابھری۔

''بابا! خیریت؟'' سامنے چوکھٹ میں ہارون کھڑے تھے۔کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس' وہ مطمئن نظریں اس پہ جمائے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے آئے۔''تم ٹھیک ہو آبی؟''

آبی نے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی تو اب اس کا چہرہ زیادہ واضح ہوا۔اس پہ اداس مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔''جی۔آپ نے وعدہ کیا تھا نا' اس لئے اب ٹھیک ہوں۔''

''اوکے۔تمہیں ایک کام کرنا ہے اب۔'' وہ سامنے کرسی پہ براجمان ہوتے سادگی سے بولے تھے۔آبدار کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''جی؟ کیا؟''

''ہاشم نے نوشیرواں کی ضمانت کروالی ہے۔اب وہ ٹرائل کو لٹکائے گا' تاریخ پہ تاریخ لیتا جائے گا۔یوں فیصلہ نہیں آئے گا۔تم نے صرف اس کو کنوینس کرنا ہے کہ وہ اس کیس کو جلد انجام تک پہنچانے پہ رضامند ہو جائے۔''

''مگر بابا' اس نے مجھے پرپوز کیا تھا' میں اس دن سے اس کی کالز نہیں اٹھا رہی' اس کو اگنور کر رہی ہوں تاکہ وہ مجھ پہ دباؤ نہ ڈالے۔اب میں کیسے اس کے پاس جا کر....''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔تم اس کو کچھ بھی کہو۔مگر اس کو راضی کرو۔تم چاہو تو کہہ دینا کہ اس پرپوزل پہ تم صرف تب غور کرو گی جب وہ اور اس کا خاندان تمام الزامات سے بری ہو جائے گا۔''

''بابا!'' اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔''میں اس پرپوزل پہ غور نہیں کروں گی۔پھر میں اسے جھوٹی امید کیوں دلاؤں؟''

''بعد میں جو ہوگا ہو میں سنبھال لوں گا۔ابھی کے لئے تمہیں اس کو راضی کرنا ہے۔'' وہ زور دے کر بولے۔آبدار کے لب بھنچ گئے۔وہ کتنی ہی دیر صدماتی نظروں سے انہیں دیکھے گئے۔

''اوہ میں سمجھی تھی کہ بالآخر آپ میرا خیال کرنے لگ گئے ہیں' مگر وہ سب....وہ وعدہ' وہ فارس کے متعلق کہی ہر بات....وہ سب آپ اپنے مفاد میں کر رہے تھے۔آپ مجھے استعمال کر رہے تھے اور فارس کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔آپ صرف اسے میرا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ہے نا؟''

''آبدار!'' وہ قمیض جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔چہرے پہ سنجیدگی تھی۔''ہاشم سے تمہاری جان صرف تب چھوٹے گی جب وہ اپنے خاندان سمیت نیست و نابود ہوگا۔اسکے لئے تمہیں وہ سب کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔اب فیصلہ تمہارا ہے۔''

''آپ کو اندازہ ہے کہ ہاشم کے ساتھ اتنا خطرناک کھیل شروع کر کے آپ مجھے کتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں؟'' اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے انسان کو قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔تمہیں بھی دینی ہوگی۔جیسے زمر صاحبہ دیں گی۔'' آخری الفاظ زیرِ لب کہے تھے اور پھر وہ مڑے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔آبدار کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

.....❖❖❖.....

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں ..... لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

وہ ایک پوش علاقے کی خوبصورت صاف ستھری کالونی تھی۔قطار در قطار بنے اونچے بنگلے جدید ترین وآرائش کا نمونہ پیش کرتے نظر آتے تھے۔رات تاریک ہو چکی تھی۔آسمان پہ تارے جگمگا رہے تھے۔ایسے میں ایک لمبی سی لش چمکتی بی ایم ڈبلیو ایک کھلے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔پورچ میں آ کر وہ رکی' ڈرائیونگ ڈور کھلا اور سفاری سوٹ میں ملبوس منظور جیلانی باہر آتا دکھائی دیا۔ہاتھ کے اشارے سے اس نے وہاں کھڑے گارڈز کو واپس جانے کا کہا اور تیز تیز چلتا لان چیئرز کی طرف آیا جہاں کوئی اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں غازی صاحب' مجھے دیر ہوگئی اور آپ کو انتظار کی زحمت سے گزرنا پڑا۔'' خوش خلقی سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہاں کھڑے فارس نے مسکرا کر گرم جوشی سے ہاتھ تھاما۔جیلانی نے ایک نظر میز پہ رکھے دو بریف کیسز کو دیکھا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔فارس بھی اپنی کرسی پہ واپس بیٹھا۔وہ سردی میں کمی کے باعث جینز کے اوپر سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ تھی اور سنہری گہری آنکھیں جیلانی پہ جمی تھیں۔

''میں معذرت کرنا چاہتا تھا۔ میرا بھانجا' بہت جلد باز اور جذباتی ہے۔ ان معاملات کے رموز نہیں سمجھتا۔'' کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں بات شروع کی۔ منظور جیلانی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ جھلایا۔

''ہم سب اس عمر میں ایسے تھے۔ مگر جب انسان کی عمر بڑھتی ہے تو ترجیحات اور کام کرنے کے طریقے بدل جاتے ہیں' خیر آپ مطلوبہ رقم لے آئے۔''

''میں لے آیا ہوں مگر چاہتا ہوں کہ آپ سعدی یوسف کو یہ بات نہ بتائیں۔ اس کو یوں کال کریں گویا ہم یہاں ملے ہی نہیں تھے اور اس سے معذرت کر کے تھوڑا بہلا کر اسے انٹرویو کے لئے بلا لیں۔ اس کو اعتماد دیں کہ یہ انٹرویو صرف اس کی سچائی کو دنیا کے سامنے لانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔ کوئی چائے پانی دیا یا نہیں آپ کو۔'' وہ فون نکالتے ہوئے بولا تو فارس نے اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔

''آپ ان کو گن لیں اور انٹرویو ٹائم کنفرم کر دیں تو میں گھر جاتا ہوں۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔ کوئی کمی بیشی ہوئی تو میرا پی اے صبح آپ کو فون کر کے....'' بریف کیس کھولتے ہوئے اینکر کہہ رہا تھا اور پھر یکا یک اس کے الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ ہاتھ ٹھہر گئے۔ اس نے ڈھکن پورا کھولا اور پھر چونک کر فارس کو دیکھا۔

وہ اسی طرح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟ اور پیسے کہاں ہیں؟'' اینکر نے ڈھکن میز تک الٹ دیا تو بریف کیس کا اندرونی حصہ روشنی میں واضح ہوا۔ اس میں کئی درجن سی ڈیز رکھی تھیں جو سفید پلاسٹک کور میں مقید تھیں۔

''پیسے تو خیر میرا باپ بھی نہیں دے گا۔ اور گارڈ کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔ دو دفعہ قتل کے جرم میں جیل جا چکا ہوں' بغیر آواز نکالے بندہ مارنا مشکل نہیں ہے میرے لئے۔ نہیں نہیں' تمہیں نہیں مارنا میں نے۔ ورنہ پھر سعدی کا انٹرویو کون کرے گا؟''

اینکر نے بریف کیس ہاتھ مار کر نیچے گرایا اور غصے سے اس کو دیکھا۔ ''یہ دھمکیاں مجھ جیسے آدمی کو نہیں ڈراتیں۔ اگر میرا مزید وقت ضائع نہیں کرنا تو تم جا سکتے ہو۔'' اور ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نتھنے پھلائے وہ غصے سے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

''جیلانی صاحب!'' فارس بھی پورے قد سے اٹھا اور جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کو بہت سکون سے دیکھا۔ ''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے نہ کرتا۔ ذرا تحمل سے ٹھہر کر پوچھتا ضرور کہ ان سی ڈیز میں کیا ہے۔ اور جانتے ہو ان میں کیا ہے؟''

کہنے کے ساتھ اس نے جیب سے ایک پین نکال کر میز پہ رکھا۔ سعدی کا پین کیمرہ۔

''مجھے معلوم تھا تم سعدی کو پیسے مانگنے بلا رہے ہو' تو میں نے سوچا ان لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ سو تمہاری اور سعدی کی گفتگو کی ویڈیو HD کوالٹی میں محفوظ کر لی میں نے۔ صرف یہی نہیں' تمہارے آفس میں جو تمہاری وال فوٹو لگی ہے' وہی جس میں امریکہ میں تم کوئی ایوارڈ لیتے دکھائی دے رہے ہو' اس کے اوپر نصب وال اسٹکر چپکا ہے' جو تمہارے آفس کی live فیڈ مجھے دیتا ہے۔ اس بریف کیس میں بہت سے لوگوں کے ساتھ تم گفتگو کرتے دکھائی دے رہے ہو۔ کسی کے ساتھ فون پہ' کسی کے ساتھ آمنے سامنے۔ تمہاری کلین سوئیپ ٹیم جو ہر جمعرات کو تمہارا آفس ڈی بگ کرتی ہے' ان کے آلات بہت پرانے ہیں' وہ میرے وال اسٹکرز کو نہیں پکڑ سکتے۔''

منظور جیلانی کے چہرے کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ پہلے وہ چونکا تھا' پھر متحیر ہوا' پھر بے یقین اور آخر میں.... اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

''یہ مختلف قابل ذکر واقعات کی سی ڈیز ہیں جن میں تم صاف دکھائی دیتے ہو۔ اب میرے پاس دو راستے ہیں' پہلا' میں تمہیں یہ سب دے دوں۔ اور تم سعدی یوسف کے اوپر ہفتے کے پانچ دن پانچ شوز کرو۔ نتیجہ' سعدی کی کہانی پورا ملک سن لے گا۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس کی آنکھوں پہ اپنی آنکھیں جمائے' چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں تمہارے مخالف چینل کو یہ tapes دے دوں۔ سب سے زیادہ اہم ٹیپ سعدی یوسف کی ہے' اس ملاقات میں سعدی نے اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کی مختصر تفصیل بتائی تھی تمہیں۔ دوسری اہم ٹیپ امریکہ میں قید پاکستانی نیورو سرجن لڑکی کی بہن کی ہے' جس سے تم فون پہ پچاس لاکھ مانگ رہے ہو ورنہ اس کی بہن کی رہائی کے لئے شو نہیں کرو گے۔ جب یہ ویڈیوز بار بار میڈیا پہ چلائی جائیں گی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سعدی یوسف کی کہانی پوری دنیا جان لے گی۔ بنا پیسوں کے گھنٹوں کا ائیر ٹائم ملے گا اس کو۔ چاہو تو میں یہ کرلوں مگر تمہارے گھر والوں نے چائے پلائی ہے مجھے' اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ تمہارا دل توڑوں اسلئے.....'' وہ ایک دم آگے بڑھا' اور جیلانی کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بدلے ہوئے لہجے میں غرایا۔ ''تم کل صبح سعدی کو فون کرو گے' اس کو عزت سے بلاؤ گے' اس سے معافی مانگو گے اور اس کا شو اتنا اچھے سے کرو گے کہ تمہارے ٹویٹر کے تیس لاکھ فالورز کو اس کا نام اور اس کی کہانی ازبر ہو جائے۔ ورنہ میں.....تمہاری.....زندگی.....برباد کردوں گا' کیونکہ تم جیسے لوگوں کے لئے.....جج.....جیوری.....اور جلاد میں ہی ہوں!'' جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا۔ وہ بالکل ہکا بکا اور شل سا تھا۔ فارس نے کیمرہ پین اٹھایا اور جانے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ وہ قدم اٹھائے پھر مڑا اور پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا رسید کیا۔ جیلانی لڑکھڑا کر پیچھے کو گرنے لگا مگر کرسی کو تھام لیا۔ اس کا ہاتھ اپنے منہ پہ تھا جس سے خون بھل بھل بہنے لگا تھا۔ تملاتا ہوا چہرہ اٹھا کر اس نے دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

فارس اپنی مٹھی کو چہرے کے قریب لے کر گیا' اس میں پھونکا اور پھر کالر جھٹکتے جانے کے لئے مڑ گیا۔

ہنکر اپنا زخمی چہرہ لئے' دبرا ہوئے کھڑا' اس کھلے بریف کیس کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

❖❖❖

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے ..... اتنا بے سمت نہ چل' لوٹ کے گھر جانا ہے

اس تاریک رات زمرا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا اور ساتھ میں سیاہ مخملیں ڈبی بھی کھلی پڑی تھی۔ وہ گھنگریالے بال جوڑے میں لپیٹے' کہنیاں میز پہ رکھے' ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے یاسیت سے ہیرے کی لونگ کو دیکھ رہی تھی۔ چناہ اس کے سامنے تھا مگر فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

اس نے پھر سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ آن لائن ترجمہ کھلا رکھا تھا سامنے۔ آج دل اتنا بکھرا بکھرا' بے کیف تھا کہ وہ کچھ لکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ پھر اس نے توجہ اور دھیان کو اسکرین کی جانب مجتمع کرنا چاہا۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے،

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان، بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

''بھلا کون ہے جو تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے' اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔

بھلا کون ہے جو از سر نو خلقت کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور کون ہے وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے کہہ دے اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

زمرنے کی بورڈ پہ رکھے اپنے زرد ہاتھ دیکھے پھر جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرنے لگی۔ ''اس دنیا میں انسان.... ہم انسان بہت سے کاموں کے لئے بہت سے لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ نوکری کے لئے.... پڑھائی کے لئے.... کورٹ میں کیس چلانے اور انصاف لینے کے لئے....'' تلخی سے سر جھٹکا۔ ''ہم انسان' آزاد' نہیں ہیں۔''

''آزادی صرف ایک myth ہے۔ نہ مرد آزاد ہیں' نہ عورتیں۔ سب مجبوریوں سے بندھے دوسروں پہ انحصار کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں اندھے اندھیروں میں جب سمجھ نہیں آ رہا ہوتا کہ کیا کریں' کیا فیصلہ لیں' کون سا راستہ اپنا لیں' تب ہمیں راستہ دکھانے والا صرف اللہ ہوتا ہے۔ اور کون ہوتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ یہ جو لوگوں کی خوفناک آوازیں اور باتیں ہمیں ڈراتی ہیں نا' ہمیں مستقبل کا خوف دلاتی ہیں' آندھی طوفان جیسی آوازیں اور ہم کان لپیٹ لیتے ہیں' یہ رحمت کی بارش سے پہلے کی ہوائیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی اللہ بھیجتا ہے۔ اچھے دنوں کے آغاز سے پہلے شدید بری باتیں سننی پڑتی ہیں' بس ہمارے ضبط کا امتحان ہوتا ہے۔ لوگ نہیں لے رہے' یہ امتحان بھی اللہ لے رہا ہے۔ مگر کیا ہمیں اس پہ اتنا بھروسہ ہے کہ صرف اسی پہ انحصار کر سکیں؟ اور اگر ہم نہیں کرتے صرف اسی پہ توکل' تو اس کو فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے موازنوں اور مقابلوں سے بہت اوپر بہت بلند ہے۔ وہ پھر بھی انسانوں کو پیدا کرتا رہے گا' ان کو مارنے کے بعد دوبارہ بھی اٹھائے گا۔ ان کو روزی بھی دے گا۔ ہماری قسمتوں میں کیا لکھا ہے' ہماری شادیاں کب تک چلیں گی' بچے کیسے ہوں گے' بڑے ہو کر کیا ہوگا ان کا' ہمیں موت کس زمین پہ آئے گی' یہ سب ہمیں نہیں پتہ۔ اسے پتہ ہے۔ پھر بھی ہم لوگ اتنے کمزور ہیں کہ صرف اس پہ بھروسہ نہیں کرتے۔ انسانوں کو سہارا بناتے ہیں۔ انسانوں کو سبب بنانا چاہیے' مدد لینی چاہیے' مگر سہارا نہیں بنانا چاہیے۔ ان کے دیے گئے چناؤ کے آپشنز کے آگے ہاتھ باندھ کر مجبور نہیں ہو جانا چاہیے۔'' ایک آنسو آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکتا گیا۔ وہ جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔ ''مگر ہم یہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ۔ ابھی ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوا ہمارا کہ سر پہ کفن باندھ کر نکلیں اور صرف آپ کی مدد کا یقین رکھیں۔ کچھ غلط قدم اٹھانے پڑتے ہیں' ہم بہت کمزور ہیں۔''

''بلکہ آخرت کے معاملے میں تو ان کی سمجھ گئی گزری ہے۔ بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہی ہیں۔''

''ہم کیوں خود کو ان لوگوں کا محتاج کر لیتے ہیں جن کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ انسان کے دل سے آخرت کا خوف نکل جائے' کیسے پتہ چلتا ہے اس کا؟'' اس نے رک کر سوچا۔ آنسو سوکھ چکا تھا مگر نشان گال پہ ہنوز موجود تھا۔ ''پہلے انسان کی سمجھ بوجھ ختم ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ وہ دل پہ بوجھ اور دماغ کے لئے کوفت بننے لگتی ہیں۔ پھر شک پیدا ہوتا ہے۔ دل کا آئینہ آلود ہو جاتا ہے۔ اور جب انسان وسوسوں کا علاج نہیں کرتا' ان کو جھٹلاتا نہیں ہے' اور ان کے مدلل جواب تلاش نہیں کرتا کہ صرف جھٹکنا کافی نہیں ہوتا۔ تو وہ اس شک کا پیچھا کرنے لگ جاتا ہے۔ شک اسے دور اندھیروں میں بھٹکا دیتا ہے' اور وہ اندھا ہو کر بھٹکتا چلا جاتا ہے' بہتا چلا جاتا ہے' اور پھر....'' اس نے پچھلی آیت دیکھی' گویا الٹا چکر کاٹا ہو۔ ''اور پھر کون ہے جو انسان کو اندھیروں سے نکال سکتا ہے' راستہ بتا سکتا ہے سوائے اللہ کے؟ اوہ اللہ' میں کیا کروں؟''

اس نے بازو بچھا کر ان پہ سر رکھ لیا اور آنکھیں بہت کرب سے بند کر لیں۔ سعدی.... یافارس.... بار بار دو نام ذہن میں ابھرتے تھے۔ چناؤ مشکل تھا۔ ناممکن تھا.... دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ سیدھی ہوئی اور سنجیدگی سے کان کے پیچھے بال اڑستی کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔ اپنا لکھا گروپ پہ پوسٹ کیا اور دوسری ونڈو کھول لی۔ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ فارس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ آستین کے کف موڑتا وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف چلا آیا۔

''اب خوش ہیں آپ؟ ہو گیا ہیرو کا انٹرویو؟'' وہ اس کے کندھوں پہ جھک کر اس کے کان کے قریب کہہ رہا تھا۔ وہ اس وقت بے زار تھی' بہت بے زار۔ سنجیدگی سے ماتھے پہ بل لئے ٹائپ کرتی رہی۔ بس ''ہوں'' کہا۔

''تو پھر کیا کھلائیں گی آپ مجھے؟ ایک بہت اچھا آئس کریم پارلر ہے.....'' وہ پیچھے سے جھک کر کھڑا اس کی کرسی کے دائیں بائیں ہاتھ رکھے' کہہ رہا تھا۔

''جو اس وقت تک کھلا ہوتا ہے۔ آپ کی فیورٹ آئس کریم ملتی ہے وہاں سے۔ چلیں گی۔''

''میں.....کام کر رہی ہوں فارس!'' وہ اسکرین پہ نگاہیں جمائے سنجیدگی سے بولی تھی۔ گویا اسے نظر انداز کیے رکھا۔ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''اور اگر آپ چاہیں تو ہم اس کے قریب ایک دوسرے اچھے ریسٹورانٹ میں بھی جا سکتے ہیں' جہاں پر.....'' اس کے بالوں پہ تھوڑی رکھے وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا جب زمر نے جھٹکے سے اسکرین نیچے گرائی اور گھومی۔ ''ہم ریسٹورانٹس اور کافی شاپس نہیں جا رہے فارس۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ سعدی کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ بیمار ہو چکا ہے وہ مسخ ہو چکا ہے۔ ہم عدالت میں ایک آئی پی پی کے خلاف کیس لڑنے جا رہے ہیں۔ ہمیں کیس کی تیاری کرنی ہے۔ آئسکریم اور کھانوں کے لئے وقت ہے ہمارے پاس؟'' غصہ کسی اور کا تھا' نکالا کسی اور پہ تھا۔ دل کسی اور نے توڑا تھا۔ چھپا کسی اور سے لیا تھا۔ وہ سرخ چہرے اور جذبات سے کانپتی آواز سے بولی تھی۔

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کرسی سے ہاتھ ہٹا کر تیزی سے سیدھا ہوا۔ ایک خاموش مگر برہم نظر اس پہ ڈالی پھر سرعت سے میز پہ رکھی چابیاں اٹھاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔

وہ کرسی پہ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ زور سے بند ہوئے دروازے کی کپکپاتی آواز سنتی رہی۔ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔ اور چہرہ جھکا ہوا تھا۔ یکدم اس نے چہرہ اٹھایا۔

جو فیصلہ اتنے دن سے ہو نہیں پا رہا تھا' وہ اس لمحے اس گھڑی ہو گیا تھا۔ چناؤ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ننگے پاؤں باہر کو بھاگی۔

وہ پورچ میں کھڑا خفگی سے بڑبڑاتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔ اس کے کان سرخ تھے اور ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں جب وہ دوڑتی ہوئی بیرونی دروازے کی چوکھٹ تک آئی۔

''آئی ایم سوری۔'' فارس نے ایک سپاٹ نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر جھکا کر دروازہ کھولنے لگا۔ وہ دوڑ کر آگے آئی اور کار کا دروازہ پکڑ لیا۔ فارس نے رک کر انہی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ اور پھر وہ چونکا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ ''آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ میں کام کر رہی تھی.....کر رہی ہوں.....کیس پہ.....کیونکہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا اگر ہم یہ کیس نہ جیتے تو۔ آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ مگر میرے پاس اختیار تھا۔ تمہیں جانے دوں یا کیس پہ کام نہ کروں.....'' وہ دروازے کے اوپر دونوں ہاتھ جمائے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فارس کے ماتھے کی سلوٹیں ویسی ہی تھیں البتہ تاثرات کی سختی کم تھی۔

''میرے پاس چوائس تھی۔ تم یا سعدی۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔'' تاروں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی گردن پہ لڑھک رہے تھے۔ موٹی خوبصورت گھنگریالی لٹوں کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ بہت دکھی لگتا تھا۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوتی گئیں۔

''میں تمہیں نہیں جانے دے سکتی تھی۔ میں سعدی کو بھی واپس لانا چاہتی تھی۔ میں ایک وقت میں ایک کا چناؤ کر سکتی تھی۔'' فارس نے ترحم سے اسے دیکھا۔

''زمر تم لوگ خواہ مخواہ اتنا خوار کر رہے ہو خود کو۔ ٹرائل کبھی نہیں چلے گا۔ ایک سال سے پہلے تو شروع نہیں ہوگا۔ ہاشم کبھی کیس نہیں چلنے دے گا۔'' مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''میرے پاس چناؤ کا اختیار تھا۔ مگر فارس.... میں تمہیں نہیں چنوں گی۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر کہہ رہی تھی۔ اس کی بھیگی آنکھیں زخمی تھیں۔ ''کیونکہ تم میرے ہو۔ جو میرا ہے' وہ میرا رہے گا۔ میں تمہیں نہیں چنوں گی کیونکہ کوئی بھی تمہیں مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔''

اس کے چہرے کی آخری شکن بھی جاتی رہی۔ گہری سانس لے کر وہ اسے دیکھے گیا۔ ''تو کون تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے سوائے تمہارے اپنے؟''

''اور میں سعدی کو بھی نہیں چن رہی۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں کیوں چنوں اس کو؟ میں مجبور نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ میں کسی انسان کے سامنے مجبور نہیں ہوں۔ انسان اندھیروں میں راستہ نہیں دکھا سکتے۔ میں نے اپنا چناؤ کر لیا ہے۔'' ہتھیلیوں کی پشت سے گال رگڑتے ہوئے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنا چاہا۔ آنسو پھر بھی ابل ابل رہے تھے اور ناک اور گال گلابی پڑ رہے تھے۔

''میں فارس کو نہیں چنوں گی۔ میں سعدی کو نہیں چنوں گی۔ میں.... زمر کو چنوں گی۔ میں خود کو چنوں گی۔'' اٹھی گردن اور مضبوط آواز سے وہ چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔ ''میں وہ کروں گی جو زمر کو کرنا چاہیے۔ ظلم زمر کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ سب اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں' سوائے میرے۔ زمر کو انصاف چاہیے۔ یہ صرف سعدی کے لئے نہیں ہے۔ یہ زمر کے لئے بھی ہے۔ مجھے بھی اُس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک میں ان لوگوں کو تباہ ہوتے نہ دیکھ لوں۔ میں.... زمر کو چن رہی ہوں۔ اور زمر بہت اچھی اداکارہ ہے۔''

اب کے وہ آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''زمر اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتاؤ۔ ایک دفعہ پہلے بھی تم روتے ہوئے کمرے میں آئی تھیں' تمہیں دمے کا اٹیک ہوا تھا اور تم درختوں کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ ''بعد میں عدالت میں تم نے بتایا مجھے کہ اس رات تم نے حقیقت جان لی تھی۔ میں اب نہیں سمجھ پا رہا کہ کیا ہوا ہے مگر کچھ ہوا ضرور ہے۔ مجھے بتاؤ۔'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ بھیگے چہرے کے ساتھ مسکرا دی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا ڈپریشن' میرا ذہنی دباؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں کیس کی وجہ سے تم سے دور ہو جاؤں گی۔ مگر نہیں....'' اب کے وہ دھلے دھلائے چہرے اور گلابی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔ ''جو میرا ہے' وہ میرا رہے گا۔ مجھے تمہیں نظر انداز یا ناراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اچھی امید اور اچھی تیاری کے ساتھ بھی یہ کیس لڑ سکتے ہیں۔ اور.... تم جب کہو گے ہم ڈنر پہ بھی جا سکتے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ جو لمحے بھر کے لئے وہ ڈر گیا تھا کہ کچھ ہوا ہے' وہ واہمہ بھی ذہن سے جاتا رہا۔ اس نے نرمی سے اسے اپنے قریب کیا' اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر چند لمحے تھپکتا رہا۔ اور پھر بہت محبت سے دھیرے سے بولا۔

''آئی ہیٹ یو' چڑیل!''

وہ ایک جھٹکے سے الگ ہوئی۔ بھیگی گلابی آنکھوں میں ایک دم ڈھیر سارا غصہ عود آیا تھا۔ ''کیا کہا؟'' وہ بے یقین بھی تھی۔

''احمر شفیع نے تمہارا نام چڑیل رکھا تھا۔ قوی اطلاع ہے کہ کچہری میں بہت سے لوگ تمہیں اسی نام سے پکارتے ہیں اور میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان لوگوں کو نیک اجر عطا کرے۔'' وہ کار کا دروازہ کھولتا کہہ رہا تھا' اور زمر نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی چہرے پہ خفگی طاری کیے وہ چیخ کر بولی تھی۔

''اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو تم میرے بارے میں ایسی باتیں کرنے والوں کے دانت توڑ دیتے۔''

''آپ کو کس نے کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے؟ میں نے تو آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔''

''دولت سے یاد آیا' میرے پیسے کہاں ہیں؟ ہاں؟'' وہ اندر بیٹھ چکا تھا اور وہ اس کی کھڑکی پہ جھکی ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

''جن پیسوں کو ہاشم کاردار ٹریس نہیں کر سکا' آپ نے سوچا بھی کیسے کہ وہ آپ کو مل جائیں گے۔ جایئے زمر بی بی' جوتے پہن کر آئیں' پھر میں آپ کو ڈنر پہ لے کر جاؤں گا۔''

''ہاں' وہ بھی میرے پیسوں سے ہوگا۔'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے خفا خفا سی بولی اور مڑ گئی۔ پیچھے سے اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

''لالچی وکیل نہ ہو تو۔'' اس دفعہ اصلی والا غصہ چڑھا مگر سر جھٹکتی اندر چلی گئی۔ اس کا ٹوٹا دل بالآخر جڑنے لگا تھا۔

.....❖❖❖.....

خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے ..... پھولوں کے ہاتھ جل گئے' کیسے یہ آفتاب تھے!

وہ صبح پگھلے سونے کی سی حدت لئے ہوئے طلوع ہوئی تھی۔ سورج کی ترچھی کرنیں قصرِ کاردار کے ستونوں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ اندر اونچی کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی نے ڈائننگ ہال کو منور کر رکھا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ نوشیرواں ہنوز کمرے میں بند تھا' اس کا ساتھ دینے کو دائیں ہاتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ جانے دونوں کی کرسیوں کی جگہ کب بدلی تھی' مگر جواہرات نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ جانتی تھی کہ اب خاندان کی ڈرائیونگ سیٹ پہ وہ نہیں تھی۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ کانٹے میں پھل کا ٹکڑا پھنساتے وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی تھی۔

''تم نے خاور کے متعلق سنا؟''

''ہوں!'' اس نے سر ہلایا۔ ''اس کے بیٹے کا فون آیا تھا۔ میں مالی طور پہ مدد کرتا رہوں گا اس کی فیملی کی۔ کچھ عرصے تک۔''

''تمہارا بڑا ظرف ہے' ہاشم!'' اس نے جھرجھری لی۔ وہ خاموشی سے کھاتا رہا تو وہ ذرا پینترا بدل کر بولی۔ ''مگر جو بھی ہے' مجھے بہت افسوس ہوا اس کا سن کر۔''

''اپنے کیے کا پھل ملا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا تھا' پھر نیپکین رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آفس کے لئے تیار لگ رہا تھا۔ ٹائی' کف لنکس' سب اپنی جگہ پہ تھے۔ ''ٹرائل کا کیا بنے گا؟''

''کوئی ٹرائل نہیں چلے گا می۔ ایک ایک پیشی کے لئے ترساؤں گا انہیں۔'' موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرتے وہ ساتھ سے نکل کر چلا گیا۔ جواہرات نے طمانیت کا گہرا سانس لیا اور مسکرا کر جوس لبوں سے لگا لیا۔ خاور کا باب تو ختم ہوا....

چند میل دور.... اس پرشکوہ عمارت کے ایک وسیع آفس میں ہارون عبید اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان تھے۔ ٹیک لگا کر بیٹھے' گال تلے انگلی رکھے وہ محظوظ نظروں سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہے تھے جس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور چبھتی ہوئی نظریں ان پہ جمی تھیں۔ وہ درمیان میں حائل میز کے باعث یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ زمر نے کرسی کی نشست ایک ہاتھ سے مضبوطی سے تھام رکھی ہے۔ اور بار بار وہ تھوک نگل کر خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تو آپ نے کیا فیصلہ کیا؟''

''اگر آپ واقعی ہاشم کاردار کو ہمارے ساتھ ٹرائل لڑنے پہ آمادہ کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔'' ہلکے سے کندھے اچکا کر خود کو بے نیاز ظاہر کرنا چاہا۔ ''میں فارس کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ ذرا سا مسکرائے۔

''اور میں جانتی ہوں کہ آپ یہ اپنی بیٹی کے لئے نہیں کر رہے۔'' اب کہ وہ بھی ذرا سا مسکائی تھی۔ ''آپ فارس کو استعمال کرنا چاہتے ہیں' اسے اپنی بیٹی کا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہو پائے گا۔ وہ کبھی بھی ایسے کسی دام میں نہیں آئے گا۔ میں نہیں وارن کروں

گی اسے۔مگر وہ خود اتنا سمجھدار ہے کہ آپ کا ہر وار خطا جائے گا۔''

''یہ میرا مسئلہ ہے'اس لئے کیوں نا ہم وہ بات کریں جو آپ کا مسئلہ ہے۔'' آگے ہوتے ہتھیلیاں باہم پھنساتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر کہا۔''آپ نے اچھا فیصلہ کیا، اپنے بوجھ کو کسی کی زندگی سے نکال کر اسے ہلکا کرنے کا فیصلہ بہت اچھا رہتا ہے۔آپ کو اور کچھ نہیں کرنا۔بس اس کی زندگی سے نکل جانا ہے۔''

''مگر ٹرائل کے بعد۔ہم ٹرائل جیتیں یا ہاریں'اس وقت کا انتظار نہیں کروں گی میں' مگر کم از کم جب اتنا کیس چل چکا ہوگا کہ مجھے لگے آپ نے اپنا وعدہ ایفا کر دیا ہے'تو میں اسے چھوڑ دوں گی۔''

''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو؟'' کمرے میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا مگر زمر نے اداکاری جاری رکھتے ہوئے اسی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''جب میں آپ پہ اعتبار کر رہی ہوں تو آپ کو بھی مجھ پہ یقین کرنا چاہیے۔''

''مگر ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آپ کی چال ہو۔آپ صرف وعدہ کرنے کی اداکاری کر رہی ہوں'اور اپنا مطلب نکل آنے کے بعد آپ اپنی بات سے پھر جائیں۔ایسے میں مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا نا۔'' ان کی زیرک نگاہیں اندر تک اتر رہی تھیں۔زمر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا مگر چہرے پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

''ٹھیک ہے۔آپ نے یقیناً کوئی کانٹریکٹ بنوا رکھا ہوا گا۔لائیے'میں دستخط کر دیتی ہوں۔''

''آپ وکیل لوگ ہر کانٹریکٹ کے نکلنے کے سوراخ ڈھونڈ لیتے ہیں'میں ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

''تو پھر آپ میری یہ گفتگو ریکارڈ کر رہے ہوں گے یقیناً تاکہ مجھے بلیک میل کر سکیں۔''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔''کیونکہ آپ بہت محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہی ہیں'اگر اس منظر کی ویڈیو بنا کر میں فارس کو دکھا بھی دوں تو آپ وکٹم لگیں گی اور میں ولن۔یوں فیصلہ آپ کے حق میں ہو جائے گا۔مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔''

پہلی بار زمر کو محسوس ہوا کہ کمرے میں تناؤ اور گھٹن بڑھ گئی ہے۔خطرے کا سائرن دور کہیں زور زور سے بجنے لگا۔کوئی آواز مگر سنائی نہیں دیتی تھی'صرف سرخ بتی جلتی بجھتی دکھائی دیتی تھی۔کسی نے اندر کہا کہ اٹھو اور چلی جاؤ'لعنت بھیجو اس کیس پہ'سعدی کو سمجھا لینا' مگر جس کا اندر زیادہ زور چلتا تھا'اس نے اس آواز کو دبا لیا۔کیونکہ''زمر'' کا انتخاب زمر نے کر لیا تھا۔

''تو پھر کیسی ضمانت چاہیے آپ کو مجھ سے؟''

انہوں نے جواب دینے کی بجائے میز پہ کھڑا کر کے سیدھے رکھے ٹیبلٹ کی طرف توجہ مبذول کی'اور اسکرین کو چھو کر کچھ دیکھنے لگے۔

''جب آپ اس عمارت میں داخل ہوئی تھیں تو آپ نے اپنا پرس ایکس رے سے گزارا تھا۔آپ کے پرس کے اندر کی تصویر... اندر تک کا خاکہ میرے پاس کھلا رکھا ہے۔اس میں ایک چھوٹی چوکور شے نظر آ رہی ہے جس کے اندر ایک ننھا سا ہیرہ موجود ہے۔یہ تصویر چونکہ پرس کا ایک رے امیج ہے'یہ صرف ایک خاکہ دے سکتا ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ وہ ہیرہ اس نوزپن کا ہے جو کسی زمانے میں فارس غازی نے آپ کو دی تھی۔''

کرسی کی نشست پہ جمے اس کے ہاتھ نے زور سے لیدر کو بھینچا۔اس کے کندھے قدرے سیدھے ہوئے۔لب پھڑپھڑائے۔ آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

''اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ گفٹ دینے والا فارس تھا تو آپ غصے سے گھر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئی تھیں۔اس دن کے بعد سے آپ نے اس کو نہیں پہنا۔حیران مت ہوں۔کچھ تو معلومات ہوں نا میرے پاس بھی!''

''یقیناً یہ میرے ملازم نے کاردارز کے گارڈ کو بتایا ہوگا' سب نوکروں کو خبر ہوگئی تھی اس رات۔اور ملازم کانوں کے جتنے پکے ہوتے ہیں' زبان کے اتنے ہی کچے ہوتے ہیں۔خیر' آپ اس نوزپن کا ذکر کیوں کر رہے ہیں؟''

وہ بولی تو آواز میں دبا دبا غصہ سا لگتا تھا۔

''اگر یہ آپ کے پرس میں نہ ہوتی تو مجھے خیال بھی نہ آتا' مگر میری قسمت اچھی تھی۔'' وہ ٹیبلیٹ نیچے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

''آپ اسے خود ہی میرے پاس لے آئیں۔'' پھر باہم مٹھیاں پھنسائے مزید آگے کو ہوئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''مسز زمر...اپنی بات پہ اعتبار دلانے کے لئے آپ مجھے اس سے اچھی ضمانت نہیں دے سکتیں۔اس ڈبی کو میرے پاس چھوڑ جایئے۔''

آسمان کے سارے تارے ایک دم سمندر میں جا گرے تھے۔اس کا سانس تک رک گیا تھا۔''یہ ڈبی؟''

''جی۔جب آپ یہ وعدہ پورا کریں گی تو میں اسے واپس کر دوں گا۔نہیں کریں گی تو میں.... بلکہ میں کیا کروں گا؟ میری ملکیت میں یہ ڈبی دیکھ کر وہ خود ہی آپ کو چھوڑ دے گا۔اسی کو ضمانت کہتے ہیں نا۔اسی کو کانٹریکٹ اور ایگریمنٹ کہتے ہیں نا۔اور جب آپ نے اسے چھوڑ ہی دینا ہے تو پھر یہ ڈبی کوئی حیثیت تو نہیں رکھتی ہوگی آپ کے لئے۔سو....اسے.... مجھے....دے دیں۔''

تارے سمندر کی سطح پہ چند لمحے تیرتے رہے' مگر تنکے جیسا سہارا بھی نہ ملا تو اندر گرتے چلے گئے....ڈوبتے چلے گئے۔اس کی بھوری آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ہارون منتظر سے اسے دیکھے گئے۔وہ کچھ نہ بولی۔چپ چاپ ان کو بجھی بجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔اس کے ذہن میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔اور دل بند ہونے کو تھا۔

''میں آپ کے ساتھ کسی قسم کی اداکاری نہیں کر رہی۔لیکن اگر آپ کو صرف اس طرح یقین آئے تو اس طرح سہی۔'' پرس سے وہ ڈبی نکال کر اس نے کھول کر میز پہ پٹخی۔اندر جگمگاتا ننھا ہیرا ڈھیر ساری روشنی منعکس کرنے لگا۔

''یہ لیجئے۔اگر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو میں ہاشم کو بتا دوں گی کہ آپ کی بیٹی میرے شوہر کے لئے کیا جذبات رکھتی ہے' اور جب اسے پتہ چلے گا تو وہ اس کا کیا حشر کرے گا' آپ کو معلوم ہے سو اب آپ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ہارون واقعی چونکے تھے۔اس کے الفاظ پہ نہیں' اس ڈبی کو دیکھ کر۔پھر انہوں نے ایک سراہتی نظر زمر پہ ڈالی۔''گویا وہ امتحان میں پاس ہوگئی تھی۔

''وہ بہت جلد خود آپ سے کہے گا کہ اسے یہ کیس لڑنا ہے' یہ میرا وعدہ ہے۔اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔''

زمر نے پرس اٹھایا اور ایک کٹیلی نظر ان پہ ڈال کر باہر نکل گئی۔دروازہ زوردار آواز سے بند کیا تھا۔

باہر راہداری میں چلتے ہوئے اس نے بدقت ابلتے آنسو روکنے چاہے مگر وہ نہیں رکے۔قطرے ٹپ ٹپ چہرے پہ لڑھکنے لگے۔اس نے رک کر دیوار کا سہارا لیا' گویا خود کو ڈھے جانے سے روکا ہو' بچایا ہو۔کچھ کھو دیا تھا اور اب دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا۔چند گہرے سانس لیے' چند آنسو پیئے اور پھر وہ دوبارہ سے چلنے لگی۔اب کی دفعہ آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی مگر چال ویسی ہی تھی محتاط سی۔ذرا سی پھسلن گرا سکتی تھی اور اسے اب کوئی غلطی نہیں کرنی تھی۔

چند میل دور ہاشم کے آفس کے باہر کھڑی آبدار نے موبائل پہ آیا پیغام دیکھ کر سے واپس پرس میں ڈالا' پھر جی کڑا کر چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی۔اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔پرسکون رکھنے کی کوشش کیے ہوئے تھی۔

دروازے کا ہینڈل پکڑتے ہوئے وہ زیرِلب بڑبڑائی۔

''اتنا بڑا خطرہ مول لے لوں کیا؟'' پھر سر جھٹکا' اور اداسی سے مسکرائی۔

''وہ... تمہارے لئے... ایسا کبھی نہیں کرے گی' فارس!'' اور پھر اندر داخل ہوگئی۔ آفس ابھی خالی تھا اور حلیمہ کے بقول ہاشم کے آنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ آبدار کو اب آدھا گھنٹہ ادھر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا تھا۔

.....❖❖❖.....

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' حنین یوسف نے اس صبح اس سے یہ کہا تو جواب میں فارس نے سر ہلا کر کہا تھا۔

''مجھے بھی تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ دونوں مورچال کے پورچ میں کھڑے تھے اور وہ باہر جانے کی تیاری میں تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ کو خاور کے بارے میں بتانا ہے۔ میں بھی وہی بتانا چاہ رہی ہوں۔'' وہ چمکتی آنکھوں اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ ''اس کا ایک بیٹا ہے جواب واپس اپنی ماں اور دادی سمیت خاور کے گھر آ کے رہنے لگ گیا ہے۔ میں نے اس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس کے باپ نے کیا کیا' اور کن کے لئے یہ سب کیا۔ اس کا دل بدل گیا ہے اپنے باپ کے لئے' اور کسی شخص کے لئے اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ اس کی اولاد کا دل بدل جائے اس کے لئے؟ میرا خیال ہے آپ کو...'' وہ جوش سے تیز تیز بول رہی تھی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ اس بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ جینز اور شرٹ میں ملبوس' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سنجیدگی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ عجیب خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ سامنے بیٹھا نوعمر لڑکا خاموش تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا۔ مگر مقدس خاموشی کو توڑنہیں پا رہا تھا۔

دفعتاً چوکھٹ پہ آہٹ سی ہوئی۔ وہ دونوں اس طرف دیکھنے لگے۔

ایک عورت پہلے نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک وہیل چیئر کی پشت کو تھامے ہوئے تھے جس کو دھکیلتی ہوئی وہ اندر لا رہی تھی۔ فارس کی نظریں وہیں جم گئیں۔ وہ بس اسے دیکھتا رہا۔

وہ خاور تھا۔

اس کا اکڑا ہوا فالج زدہ جسم وہیل چیئر پہ رکھا تھا۔ گویا اس میں روح نہ ہو۔ گردن ترچھی منجمد سی تھی' اور چہرے پہ آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ ساتھ چند نالیاں بھی جڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ ٹیڑھے میڑھے سے ہو کر ایک زاویے پہ جم گئے تھے اور آنکھیں... صرف وہی حرکت کرتی تھیں۔ ان کی سیاہ گیندیں گھوم گھوم کر فارس کے چہرے سے آٹکراتی تھیں۔ ان میں بے بسی تھی' خوف تھا' دکھ تھا۔

''کیا ان کی بہتری کی کوئی امید ہے؟'' اس نے سادگی سے لڑکے کو مخاطب کیا۔ لڑکے نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ان کا جسم مستقل طور پہ مفلوج ہو چکا ہے۔ ہاتھ کی صرف ایک انگلی ہلا سکتے ہیں' ایک دفعہ ہلائیں تو مطلب ہے ہاں' دو دفعہ تو ناں۔ بول بھی نہیں سکتے۔ بس دیکھ سکتے ہیں۔ روتے بہت ہیں۔ آوازوں سے۔ مگر الفاظ نہیں نکلتے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ قدرتی فالج ایٹیک ہے' اور ایسی صورتحال میں ہمیں اب سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔'' وہ دبی آواز میں بتا رہا تھا۔

فارس بس گردن موڑے اسے دیکھتا رہا۔ جو سمٹا سمٹا سا وہیل چیئر پہ پڑا تھا۔ زرد بے جان چہرہ' بے حد گرا ہوا وزن' ہڈیوں کا ڈھانچا سا انسان۔ اس کی بھیگی نظریں فارس پہ جمی تھیں۔ بہت سے ماہ و سال دونوں کے درمیان فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔

''بول نہیں سکتے تو کیا ہوا۔ سن تو سکتے ہیں نا۔'' وہ بہت دیر بعد بولا تھا اور آواز ٹھنڈی تھی۔ ٹھنڈی اور سپاٹ۔

''جی' سن سکتے ہیں۔'' لڑکے نے سر ہلا دیا۔

''تو پھر آج کرنل خاور تمہارے ساتھ کچھ سنیں گے۔ ایک کہانی جو میں سنانے جا رہا ہوں۔'' فارس نے نگاہوں کا رخ اس لڑکے کی

طرف پھیرا۔''اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کہانی کو ساری زندگی یاد رکھو' جب تک یہ زندہ ہیں تم روز ان کو وہ کہانی سنایا کرو۔'' خاور کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں سمجھا نہیں۔'' لڑکا اب کے الجھا تھا۔

''جب میں شروع کروں گا تو سمجھ جاؤ گے۔ پھر بتاؤ' شروع کروں؟'' اس نے اسی سکون اور اطمینان سے پوچھا تھا۔ لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔ خاور نے بہت کوشش کی کہ وہ چیخے چلائے' گردن ادھر ادھر مارے' اس کی منت کرے' اسے روکے' روئے پیٹے' اس کے قدموں میں گر جائے اور اسے منع کرے۔ میرے بیٹے کو مت بتاؤ۔ خدارا مت بتاؤ۔

مگر اب..... اختیار اس کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اور اگر تمہیں کبھی کوئی کہے کہ انسان کے کیے گئے ظلم گھوم پھر کے اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتے ہیں تو یقین کر لینا کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

ادھر حنین مور چال کے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائے فروٹ کھا رہی تھی۔ زمر ابھی ابھی لوٹی تھی اور خاموش سی ادھر بیٹھی تھی' گویا ذہن کہیں دور الجھا ہو۔ سعدی لیپ ٹاپ لئے بیٹھا کچھ پوائنٹس کاغذ پہ لکھ رہا تھا۔ وہ انٹرویو کی تیاری کر رہا تھا۔

دفعتاً حنین اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مٹھی میں خشک میوے بھرے' وہ ان کو وقفے وقفے سے کھاتی' زینے چڑھتی اوپر آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر.....

اس کی دلخراش چیخ سب نے سنی تھی۔ زمر اور سعدی کے خیالات ٹوٹے' جیسے ان کو ہوش آیا۔ وہ دونوں اوپر کی طرف بھاگے۔

''حنین کیا....'' چوکھٹ تک آتے ہوئے سعدی کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ کیا ہوا تھا۔

ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ الماریاں دراز کھلے پڑے تھے۔ جوتوں والے خانے سے سارے ڈبے نکلے ہوئے تھے۔ لاک والی دراز میں چابی لگی تھی اور وہ کھلا تھا۔ حنین حواس باختی سی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ شل۔ ہکا بکا۔ کھڑکی بھی پوری کھلی تھی۔

''حنہ' تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا؟'' زمر نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھاما' اور اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔

''وہ میرے سامنے کھڑکی سے کودا.... اور....'' وہ شل سی ابھی تک گردن موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔ ''اور اس نے دیوار پھاند لی۔''

''کون؟ کون تھا؟'' سعدی تیزی سے بالکونی میں بھاگا تھا۔

''وہ ایک آدمی تھا' اس نے سرخ مفلر لپیٹ رکھا تھا' اور.... اور اس کے لمبے بال تھے.... اور چھوٹا سا قد تھا۔'' وہ سفید چہرے کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔ سعدی واپس اندر آیا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ اسے نیچے جا کر اس آدمی کو پکڑنا تھا۔

''کیا کر رہا تھا وہ یہاں؟ بتاؤ حنین؟''

''اس کے ہاتھ میں میرا میموری کارڈ تھا۔ وہ علیشا والا میموری کارڈ لے کر چلا گیا۔ اللہ میرے!'' حنین نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ زمر نے بے ساختہ کھلی دراز کو دیکھا۔ اسے زور کا چکر آیا تھا۔

''میرے پاس تو اسکی کاپی بھی نہیں ہے زمر۔ اب کیا ہوگا؟''

زمر نڈھال سی کاؤچ پہ گر سی گئی۔ اب کیا ہوگا؟

قصرِ کاردار کے برآمدے کے اونچے ستونوں پہ دھوپ کی پہلی کرنیں گرتی نظر آ رہی تھیں۔ ہاشم موبائل دیکھتا زینے اترتا نیچے آ رہا تھا۔ اس کی کار سامنے منتظر سی کھڑی تھی۔ شوفر دروازہ کھولے' ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ جیسے ہی کار کے قریب آیا' ایک گارڈ سامنے سے تیز تیز

چلتا اس طرف آتا دکھائی دیا۔

''سر!'' اس نے عجلت میں پکارا۔ ہاشم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا ہے؟''

''ایک ملاقاتی ہے آپ کے لئے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ان سے واقف ہیں' سوان سے مل لیں؟''

''اسی وقت؟'' اس نے نخوت سے ابرو اٹھائی مگر پھر وہ ٹھہر گیا۔ گارڈ کے پیچھے آتے ذی نفس کو وہ پہچان گیا تھا۔ پاسپورٹ' انجان کالز' بہت سی کڑیاں ایک ساتھ ذہن میں ملی تھیں۔

''ہیلو مسٹر کاردار!'' وہ قدم قدم چلتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنے ہیروں کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے کان کے پیچھے بال اڑستی نرمی سے بولی۔ ''میں یہ جانے بغیر کہ کس کے لئے کام کر رہی ہوں' آپ کے لئے بہت کچھ کر چکی ہوں پہلے۔ اب بھی فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کی تعریف؟'' وہ انجان بن کر بولا البتہ چہرے کی تمام بے زاری اور کلفت غائب ہو چکی تھی۔ مسکرا کر' دلچسپی سے وہ اس نوارد کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ڈاکٹر ایمن کہتے ہیں۔ فارس غازی نے میرا ہسپتال جلایا تھا' اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ تو کیوں نا ہم مل کر اس سے بدلہ لیں؟''

ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''تو وہ آپ تھیں۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ چرانے والی۔ اور یقیناً پاسپورٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا آپ کے پاس۔'' مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتا وہ کہہ رہا تھا۔

''وہ آپ تھیں! ہے نا!''

.....❖❖❖.....

باب25:

اِک مسافت عالَمِ تنویم میں....!

لوگ کہتے ہیں کہ
زبردست محبت وہ ہوتی ہے
جو تمہیں بٹھاتی ہے
پینے کو پانی دیتی ہے
اور تسلی آمیز انداز میں
تمہارے سر پہ تھپکی دیتی ہے۔
مگر میں کہتی ہوں کہ
زبردست محبت وہ ہے
جو تمہیں اڑا دے فضا میں
بھڑکا دے تمہارے وجود میں شعلے
تم آسمانوں میں جلتے ہوئے اڑتے جاؤ
اور رات کو ہما پرندے کی طرح روشن کر دو۔
ایسی محبت جو تمہیں جنگل کی آگ کی طرح
بھگاتی جائے اور تم.....
تم دوڑتے دوڑتے رکو نہیں۔
اور جس شے کو بھی تم چھوؤ
اسے جلا کر راکھ کرتے جاؤ۔
میں کہتی ہوں یہ ہے اچھی محبت۔
جو تمہیں جلا ڈالے
جو تمہیں اڑا ڈالے

اور تم اس کے ساتھ
بھاگتے چلے جاؤ.....
(سی جوائے بیل سی)

سرما کو اپریل کے سورج نے پگھلا کر گویا بھاپ بنا کے اڑا دیا تھا۔ وہ ایسا گیا کہ اب نام و نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ فضا گرم تھی۔ ہوا ساکن تھی۔ گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال موسمِ گرما بہار کے درمیان سے ہی شروع ہوا چاہتا تھا۔

کچہری کا جہنمی ہجوم ویسے ہی بھانت بھانت کی بولیاں بولتا راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ البتہ اس کمرہ عدالت میں بند دروازوں کے باعث آوازوں کی آمد منقطع تھی۔ چبوترے پہ اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب عابد آغا صاحب اپنے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے دونوں اطراف کرسیاں لگی تھیں۔ کورٹ رپورٹر اپنے کی بورڈ پہ ہاتھ جمائے تیار بیٹھا تھا۔ بولنے والوں کا ہر سچ اور ہر جھوٹ اچک کر صفحہ قرطاس پہ منتقل کرنے کو بے تاب تھا۔

دونوں جانب کی کرسیوں کے درمیان گزرنے کا کھلا سا راستہ بنا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ساتھ سوٹ' ٹائی اور جھکے سر والا شیرو موجود تھا' اور مزید آگے دیکھو تو جواہرات بیٹھی' بے زاری سے اپنے نیکلیس کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ دائیں جانب بھی دیکھ لیتی جہاں دوسری میز کے پیچھے زمر اور سعدی ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب کیے' وہ دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ پچھلی کرسیوں پہ حنین اور اسامہ بیٹھے تھے۔ بالکل خاموش۔

اب تم واپس ہاشم کاردار کی طرف آجاؤ تو وہ اسی طرح مطمئن سا بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی' اور چہرہ سنجیدہ سا لگتا تھا۔

''زمر صاحبہ' آپ شروع کریں۔'' جج صاحب نے کاغذات سے نظریں اٹھا کر زمر کو اشارہ کیا۔ ٹرائل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بولنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ سعدی سے ہلکا سا کچھ کہتی اٹھ کھڑی ہوئی' کوٹ ذرا کھینچ کر درست کیا۔ بال کان کے پیچھے اڑسے۔ اس کی ناک میں ننھے سے ہیرے کی لونگ دمک رہی تھی۔ ہاشم یونہی اسے دیکھے گیا۔ وہ اس لونگ اور اس میں چھپی داستانوں سے بے خبر تھا' مگر اس کی چمک سے اسے کچھ یاد آرہا تھا..... ذہن پیچھے کہیں تیرنے لگا تھا..... اور ایک دم وہ دو ماہ پہلے کی اس صبح میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر ایمن!'' سبزہ زار پہ اپنی کار کے ساتھ کھڑا وہ مسکراتے ہوئے اس عورت سے کہہ رہا تھا جس نے ہاتھوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ ''تو وہ آپ تھیں نا۔ جنہوں نے مجھے وہ پاسپورٹ بھیجا تھا۔''

ڈاکٹر ایمن نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ وہ جو کچھ اور کہنے جا رہی تھی' رک گئی۔ بھنویں ناسمجھی سے اکٹھی ہوئیں۔ ''سوری' مگر کون سا پاسپورٹ؟''

''آپ..... نے..... مجھے.....'' وہ توڑ توڑ کر کہتا اس کے سامنے آیا۔ ''ایک..... پاسپورٹ بھیجا تھا..... سعدی یوسف کا.....''

اس نے اچنبھے سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ ''نہیں' میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا۔ میں نے تو دو تین دفعہ بس آپ کے آفس کال کی تھی' ملنا چاہتی تھی۔ اگر آپ کو کسی نے میرے خلاف کچھ کہا ہے تو یقین مانیں اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔''

ہاشم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ سچ کہہ رہی ہے۔ اس نے سر جھٹکا۔

''خیر..... کیوں ملنا چاہتی تھیں آپ مجھ سے؟'' انداز ذرا روکھا ہو گیا تھا۔ دلچسپی گویا ختم ہو گئی تھی۔

''میں فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ جب آپ ٹرائل میں اس کے بھانجے کے خلاف دلائل دیں گے تو.....''

''ایک منٹ بی بی۔'' اس نے انگلی اٹھا کر روکا۔ ''کوئی ٹرائل نہیں ہو رہا۔ نہ کبھی ہوگا۔ یہ آپ لوگوں کی بھول ہے کہ ہم اور ''وہ'' کبھی دو خاندانوں کی طرح استغاثہ اور دفاع کی کرسیوں پہ کسی کورٹ روم میں بیٹھے ہوں گے۔ اور مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت پڑی....'' ''اگر'' پڑی تو میں خود آپ کو یاد کرلوں گا۔ ابھی آپ جا سکتی ہیں۔'' اور سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھاتا' ہاتھ جھلا کر ڈرائیور کو اشارہ کرتا وہ اندر بیٹھا۔ باادب ملازم نے کالے شیشے والا دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی زن سے سامنے سے گزر گئی اور ڈاکٹر ایمن جو ابھی کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی' تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

(آج)

''زمر صاحبہ.... آپ شروع کریں....'' جج کی آواز کی بازگشت تھی جو اسے سنائی دی تھی۔ ہیروں کی چمک مدھم ہوئی۔ قدرے چونک کر ہاشم سیدھا ہوا' اور پھر اپنے اطراف میں دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھا تھا' اپنے خاندان کے ساتھ۔ اور دوسری طرف.... اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہاں پچھلی کرسیوں پہ حنین کے ساتھ فارس بیٹھا تھا۔ وہ شاید ابھی ابھی آیا تھا۔ اور ذرا پیر لمبے کر کے بیٹھا مسلسل چیونگم چباتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔ صرف وہی تماشائی لگتا تھا۔ باقی سب شدید تناؤ کا شکار تھے۔ ہاشم کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے نگاہیں گھمائیں۔ سنہری آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں۔ ہاشم سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا' مگر سنہری آنکھیں مسکرائیں۔ ماتھے تک ہاتھ لے جا کر' سر کو ذرا سا خم دیا۔ (سلام!) ہاشم نے نخوت سے رخ واپس پھیر لیا۔

''یور آنر!'' زمر چبوترے کے سامنے زمین پہ کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ ''سرکار بنام نوشیرواں کا روار کو درست طور پہ سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے سعدی یوسف کو سمجھنا ہوگا۔ ایک رشتے دار کی حیثیت سے نہیں' ایک وکیل کی حیثیت سے میں معزز عدالت کو بتانا چاہتی ہوں کہ سعدی یوسف کون ہے۔ اور سعدی یوسف کون تھا۔ میں آپ کو سعدی یوسف کی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔''

جج صاحب توجہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ حنین کی نظریں بھی زمر کی پشت پہ جمی تھیں۔ وہ اس کے الفاظ پہ فوکس کرنا چاہتی تھی' ایک ایک لفظ دھیان سے سننا چاہتی تھی' مگر کورٹ رپورٹر کے کی بورڈ پہ ٹھک ٹھک چلتے ہاتھوں کی آواز دفعتاً زمر کی آواز اس کا دھیان بٹا رہی تھی۔ پھر یکا یک ساری آوازیں پسِ منظر میں چلی گئیں اور دھیرے دھیرے کمرہ عدالت اس کے بیڈ روم میں تبدیل ہوتا گیا.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کمرے میں کھلی کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ پریشان نگاہیں باہر لگی تھیں۔ زمر سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور سعدی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

''وہ بھاگ چکا ہے۔ سرخ مفلر والا آدمی۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر تب تک وہ گلیوں میں گم ہو چکا تھا۔'' وہ پھولے سانس کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ''اب وہ کسی ہمسائیوں کے گھر میں کود چکا ہے۔ گارڈز گئے ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ وہ اب ملے گا۔'' پھر حنین کو دیکھا۔

''تمہارا میموری کارڈ.... کیا تھا اس میں؟''

وہ ابھی تک کھڑکی میں دیکھ رہی تھی' اب کہ آہستہ سے چہرہ گھما کر سعدی کو دیکھا۔ آنکھوں میں بددلی تھی۔

''وہ علیشا نے ہمیں دیا تھا۔ ہم اتنے سال اس کو لے کر پھرتے رہے آپ کے کی چین میں مگر اس کو استعمال نہیں کر سکے۔''

''مگر اس میں تھا کیا؟'' زمر نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ حنین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''کرنل خاور کے بیٹوں کو ہاشم نے مروایا تھا۔ اور مسز کاردار نے۔ پھر الزام ایک آفیسر پہ ڈال دیا جو خاور کے کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ یہ اگلے سو سال کی منصوبہ بندی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے یہ اتنے امیر اور اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ جب یہ کسی کو اپنا دستِ

راست بناتے ہیں تو اس کی ساری کشتیاں جلا دیتے ہیں۔ خاور نہیں جان سکا۔ اس نے اس بریگیڈیئر کی آنکھوں کے سامنے اس کے خاندان کو مارا اور پھر اس کو بھی مار دیا۔ اس کو بعد میں علم ہوا کہ اس بریگیڈئر کا ایک اور بیٹا بھی ہے جو امریکہ میں زیرِ تعلیم ہے۔ اور اس کو وہ خفیہ اولاد کی طرح چھپا کر رکھتا ہے۔'' حنین سانس لینے کو رکی۔ یہ باتیں بتانا عجیب لگ رہا تھا۔ سعدی غور سے اور زمر عدم توجہی سے سن رہی تھی۔ ''خاور کا اس بچے سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اس نے صرف بریگیڈئر کو اذیت دینی تھی۔ جب دے دی تو انتقام ختم ہوا۔ اس نے اس لڑکے کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ اس کو مار کر کیا کرتا؟ بریگیڈئر بنگش کے دوستوں نے اسے روپوش کرا دیا۔ خاور کو صرف اس کی ایک گھڑی ملی تھی جس پہ اس لڑکے کا پارشل فنگر پرنٹ تھا۔ اس کارڈ میں ایک ویڈیو تھی جو یقیناً مسز کاردار نے بنوائی تھی۔ اس میں خاور ان کے سامنے آ کر اعترافِ جرم کرتا ہے اور وہ اس کو نوکری پہ رکھ لیتے ہیں گویا اپنے پروں میں چھپا لیتے ہیں۔ یوں ان کو وفادار ملازم بھی مل گیا' اور اس کی دکھتی رگ کو بھی ہاتھ میں لے لیا جس سے وہ کبھی بھی اس کو اپنے جوتے تلے مسل سکتے ہیں۔ علیشا نے وہ پورا فولڈر کاپی کیا تھا۔ اس میں کچھ تصاویر تھیں۔ وہ ویڈیو تھی۔ اور ایک پارشل فنگر پرنٹ کی فائل تھی۔ جواہرات کے لیپ ٹاپ سے لیا اس نے یہ سب اور مجھے یاد ہے وہ کبھی بھی خاور کو اپنے کمپیوٹر کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں۔ علیشا ہیکر تھی۔ انہی جرائم کی وجہ سے وہ جیل گئی تھی۔ اس کے پاس نیشنل ڈیٹا بیس تک رسائی تھی۔ اس نے اس پارشل فنگر پرنٹ کو ڈھونڈ نکالا۔ شاید خاور امریکہ میں ہوتا اور دلچسپی لیتا اور کاردارز نے اسے مصروف نہ کر رکھا ہوتا تو وہ بھی ڈھونڈ نکالتا مگر اس کا تو انتقام پورا ہو گیا تھا۔ مگر انتقام کے سائیکل میں ایک سروائیور رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس چکر کو الٹا چلاتا ہے۔ وہ لڑکا سلطان کئی برس کی انتھک محنت کے بعد اورنگزیب کاردار کے پاس ملازمت کرنے آتا ہے۔ اس کے ڈرائیونگ لائسینس کی کاپی اس کارڈ میں تھی اور میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ یہ احمر شفیع کی پرانی تصویر ہے۔''

''احمر؟ وہ اسٹپنی؟'' سعدی کو دھکا لگا تھا۔ زمر خاموش رہی۔ اسے اب کوئی بھی بات حیران نہیں کرتی تھی۔

''میں نے یہ ساری باتیں فارس ماموں کو بتائیں تو انہوں نے احمر سے یہ سب پوچھا۔ یہ بات احمر نے انہیں بتائی کہ اس کے والد نے نہیں کاردارز نے خاور کے بیٹوں کو مارا تھا۔ چونکہ فارس ماموں نے خود اس دن خاور کو جانے دیا تھا' زمر کے کہنے پہ' حالانکہ بعد میں خاور نے زمر پہ گولی بھی چلانی چاہی' مگر انہوں نے احمر سے کہا کہ وہ اسے جانے دے ورنہ خاور اس کو اکسا کر اسے کہے گا کہ مجھے مار ڈالو اور یوں احمر مجرم بن جائے گا۔ انتقام کا چکر الٹا ہو گا۔ خاور کا تیسرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ وہ احمر کو جینے نہیں دے گا۔ مگر احمر نے بات نہیں مانی۔ اس نے ہی کیا ہے جو بھی اس نے کیا ہے خاور کے ساتھ۔ خاور کے ایکسیڈنٹ اور فالج کے بارے میں تو آپ سب نے ہاشم کے ٹوئٹر پہ پڑھ لیا ہو گا۔ خیر مجھے خاور سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لیے میں نے اس کے بیٹے کو سب بتا دیا ای میل کر کے۔ فارس ماموں بھی صبح ادھر ہی گئے ہیں۔ وہ ایک دفعہ.....''

''تم نے اسے کاپی کیوں نہیں کیا؟ ہم اسے کورٹ میں استعمال کر سکتے تھے۔'' سعدی جھنجھلایا تھا۔ خاور سے وہاں کسی کو دلچسپی نہ تھی۔

''بھائی وہ کاپی نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وہ بہت سنبھال کر رکھی تھی۔''

''حنین۔'' زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کس کس کو علم تھا کہ وہ تم نے کہاں رکھی ہے؟ کسی ملازم نے دیکھا تھا تمہیں وہ رکھتے ہوئے؟''

''نہیں زمر۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ' اس دراز کی چابی کی جگہ' میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی۔ ''پہلے وہ فلیش ڈرائیو خالی نکلی' اور اب یہ سارے ثبوت گئے۔ شاید Yousufs اتنی بھیانک اور تاریک چیزیں رکھنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔'' حنین نے دل گرفتگی سے ایک اور سچ بولا۔ سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ مجھے یقین ہے جب سونیا کی سالگرہ کی رات میں نے ہاشم کے کمرے میں جا کر وہ فلیش ڈرائیو کاپی کی تھی تو اس کے

اندر کافی سارا مواد موجود تھا۔ میموری تقریباً فل ہوگئی تھی۔ اور اب اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یقیناً کسی نے اہم ڈاکومنٹس اس میں سے مٹائے ہیں۔''

''کوئی میری ناک کے نیچے میری فلیش سے کیسے کچھ مٹا سکتا ہے؟''

''جیسے کوئی تمہاری دراز سے کارڈ نکال کر لے جا سکتا ہے۔ یقیناً اس شخص کو ہاشم نے بھیجا ہوگا اور اسے اس فلیش کا پاسورڈ معلوم ہوگا۔ نہ ہم خود محفوظ ہیں' نہ ہمارے گھر۔'' سعدی تلخی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ حنین نے بے اختیار زمر کو دیکھا تھا۔ ''اب کیا ہوگا؟ ٹرائل کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

ذرا دیر بعد زمر نے چہرہ اٹھایا تو لگتا تھا وہ خود کو قدرے سنبھال چکی ہے۔

''پاکستان میں ایسے ہی ہوتے ہیں ٹرائلز۔ مخالف فریق ٹرائل شروع ہونے سے قبل ہی ہمارے ثبوت مٹا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔'' وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

''ہمارے پاس ہماری زبانیں' ہمارے دلائل اور ہمارے گواہ موجود ہوں گے۔ ٹرائل ہوگا اور ضرور ہوگا' اور اسے ہم ہی جیتیں گے اور اگر نہ بھی جیت سکے تو کم از کم.....'' اس نے سنجیدگی سے حنین کو دیکھا۔

''It would be worth trying۔''

(آج)

''یور آنر!'' حنین نے سر جھٹکا۔ اردگرد چلتا منظر بجلی جانے پہ بند ہونے والی ٹی وی کی طرح غائب ہوگیا۔ وہ ذرا سنبھل کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ کمرہ عدالت اس کے اطراف میں آ بسا تھا اور وہاں سب دم سادھے زمر کو سن رہے تھے جو جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ یہاں سے اس کی پشت نظر آتی تھی۔ سیاہ کوٹ کے اوپر گھنگریالے بال آدھے بندھے گر رہے تھے اور وہ وقفے وقفے سے گردن کے پیچھے ایک لٹ اڑستی تھی۔

''میرے موکل سعدی یوسف کی کہانی 21 مئی کو نہیں شروع ہوئی تھی۔ یہ اس سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔'' چہرہ موڑے اپنے سعدی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے اس نے بات جاری رکھی۔ وہ بس زخمی آنکھوں سے سامنے دیکھے گیا۔

''جو سعدی یوسف اس وقت کمرہ عدالت میں انصاف کا طالب بن کر بیٹھا ہے' یہ وہ سعدی نہیں ہے جس کو اس کے گھر والے اور کئی برسوں سے جانتے ہیں۔ وہ سعدی اور تھا۔ وہ زندہ دل تھا۔ لوگوں کو معاف کرنے والا' درگزر کرنے والا تھا۔ ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر اس نے اپنی ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ وہ ایک محنتی اور قابل نوجوان تھا۔ اس کے پاس ٹیلنٹ تھا' ہنر تھا' ذہانت تھی۔ اگر اس کو کام کرنے دیا جاتا' اس کو مواقع ملتے تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوتا' مگر یور آنر' میرے ملک کے نوجوانوں کو اگر اسی طرح پھلنے پھولنے دیا جائے تو معروف امیر آئی پی پیز کے آتش دان ٹھنڈے نہ پڑ جائیں؟ اگر ان نوجوانوں کو یونہی بڑے بڑے پراجیکٹس پہ محنت اور لگن سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وقت کے فرعونوں کی غلامی کون کرے گا؟''

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ہاشم' گال تلے انگلی رکھے اطمینان سے زمر کو دیکھ رہا تھا۔ آخری بات پہ آگے جھکا' نوٹ پیڈ اٹھایا اور اس پہ چند الفاظ تحریر کیے۔

''سعدی یوسف۔ غریب کارڈ۔ محبِ وطن کارڈ۔'' نوٹس لے کر اس نے پیڈ ڈال دیا اور توجہ سے سننے لگا۔ وہ اب چبوترے کے سامنے چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ ہلا کر۔ دائیں سے بائیں ٹہلتی۔

''سعدی یوسف کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی اس کی معصومیت تھی۔ اس نے سمجھا کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس کی طرح ہوں

ہیں ان کو اللہ کا خوف دلاؤ تو وہ سدھر جاتے ہیں۔ اور اسی خیال کے تحت وہ 21 مئی کی صبح ہاشم کاردار کے بلانے پہ اس کے آفس گیا تھا۔ یور آنر وہ وہاں پر ان سے جھگڑا کرنے' یا ان کو مارنے کی نیت سے نہیں گیا تھا' بلکہ وہ وہاں ان کو قانون کی حرمت کا احساس دلانے گیا تھا۔''

ہاشم سنجیدگی سے سنتا رہا۔ چہرے پہ وہی تاثرات برقرار رہے۔

''اس موقعے پہ ہاشم کاردار نے سعدی یوسف کو تیس کروڑ روپے لے کر اپنا منہ بند کرنے کی پیشکش کی' جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ یہ اسی وقت تھا جب ملزم نوشیرواں کاردار سے اس کی تلخ کلامی ہوئی مگر نہ ہی سعدی یوسف نے کسی پہ ہاتھ اٹھایا نہ لمبی تکرار کی بلکہ چند الفاظ کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ ایک پچیس سال کے نوجوان کے خاندان کی عورتوں کے بارے میں نازیبا باتیں کہی جائیں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مخالف کا منہ نہ توڑ دے۔ مگر سعدی یوسف نے زبانی تلخی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ وہ قانون توڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ قانون کی بالادستی اور انصاف قائم کرنے کے لئے ان کو نصیحت کرنے گیا تھا۔ کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی سے پہلے وہ خیر کا ایک آخری راستہ دکھانے گیا تھا ان کو' شاید کہ وہ نادم ہوں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں' تو ان کی سزا میں کمی ہو جائے۔ ایسا تھا ہمارا سعدی۔ دشمنوں کا بھی خیر خواہ۔'' زمر نے رک کر چہرہ موڑا۔ سعدی اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہاشم البتہ انہماک سے پیڈ پہ الفاظ کا اضافہ کر رہا تھا۔

''کریکٹر اسکیچ۔ مسیحا' ہمدرد۔ غریب بمقابلہ امیر۔ مختصر یہ کہ فرشتہ کارڈ کھیل رہی ہے پراسیکیوٹر۔'' اور اس کا دماغ زمر کے ہر کارڈ کا توڑ سوچ رہا تھا۔ پیلے نوٹ پیڈ پہ نظریں جمائے وہ زمر کی باتیں سن رہا تھا مگر بار بار دھیان بٹ سا جاتا تھا۔ نوٹ پیڈ کے صفحے بالکل زرد تھے۔ سورج مکھی کے پھولوں جیسے زرد۔ اور اس زردی میں بہت سے بلب جگمگانے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

اس کے آفس کا کاریڈور صبح کے باجود زرد بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ ذہن میں ڈاکٹر ایمن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ جمع تفریق کر رہا تھا۔ جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

اپنے آفس کے دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ در آئی۔ موڈ ایک دم اچھا ہو گیا۔

''ریڈ؟'' اس نے مسکرا کر آفس میں قدم رکھا۔ وہ جو کرسی پہ بیٹھی تھی' چونک کر مڑی۔ پھر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پہ بدقت پھیکی سی مسکراہٹ لائی۔ سرخ رومال سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے گرہ لگائے ہوئے تھی' اور کانوں میں آنسو شکل کے سرخ یاقوت لٹک رہے تھے۔ سبز مائل آنکھیں بے خوابی کے باعث اندر سے گلابی پڑ رہی تھیں مگر پھر بھی وہ سنبھل کر مسکرا رہی تھی۔

''گریم ریپر!'' ہاشم اس طرزِ تخاطب پہ ہلکا سا ہنستا اندر آیا اور میز کے پیچھے جا کر' کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی۔

''مجھے اس نام سے پکارنا بند کر سکتی ہو' آبی؟'' کرسی کو میز کے قریب لاتے اس نے چند چیزیں اٹھا کر الٹ پلٹ کیں۔ چہرے پہ وہی وجیہہ مسکراہٹ تھی۔ سارا ماحول گویا معطر ہو گیا تھا۔

آبدار دھیرے سے کرسی پہ واپس بیٹھی۔ اس کی گم صم نگاہیں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''ناشتہ کیا ہے؟ کیا منگواؤں تمہارے لیے؟''

''میں سمندر کی گیلی ریت پہ لیٹی تھی..... میرا اندر پانیوں میں ڈوب چکا تھا۔'' وہ کسی گہرے خیال میں بول رہی تھی۔ ''کیا پھیپھڑے اور کیا دل..... سب پانی تھا..... ایسے میں کوئی میرے اوپر جھکا تھا..... اس کی شرٹ کی پشت پہ ننھا سا سیپ چپکا تھا..... اس سیپ میں تین رنگ تھے ..... گویا رگوں کی طرح ابھرے ہوئے تھے..... تب میں نے اسے فرشتہ سمجھا تھا..... موت کا فرشتہ..... مگر اس موت کے فرشتے نے مجھے نئی زندگی دی۔''

وہ جو فون اٹھا کر آرڈر کرنے لگا تھا' ریسیور واپس ڈال کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گم صم سی دیوار کو دیکھتی بول رہی تھی۔ ''اور اب

وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔'' (ہاشم مسکراتا رہا۔) اب.... جب کہ ایک دنیا.... اسے شیطان کہنے لگی ہے۔''

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ دماغ گویا بھک سے اڑا۔ اس نے لب کھولے مگر پھر بھینچ لئے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

''اور وہ چاہتا ہے کہ میں.... اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ سمرویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ!'' آبی کی گم صم نگاہیں اس کے چہرے پہ آٹھہریں۔ ''سمرویڈنگ یا سپرنگ ویڈنگ.... یہی پوچھا تھا نا تم نے!''

''آبی تم سوچنے کے لئے وقت لے سکتی ہو اور پھر.....''

''اور پھر میں وہ عورت بن جاؤں گی جو شہر کے ساتویں eligible bachelor کی ملکہ بن کر اس کی زندگی میں آئے گی' اور اس کے ساتھ ہر جگہ' ہر تصویر' ہر میگزین کور پہ کھڑی ہوگی' اس کے ساتھ سیاہ گلاسز لگائے کالے شیشوں والی لمبی گاڑی سے نکلا کرے گی مگر لوگ.....'' وہ آگے ہوئی۔ مسکراہٹ نہیں تھی' آنکھوں میں آنچ تھی۔ سرخی تھی۔ ''مگر لوگ سامنے سرخ قالین بچھا کر اس کے انتظار میں پھول لئے نہیں کھڑے ہوں گے۔ لوگ پوسٹرز اور بینرز اٹھا کر کھڑے ہوں گے' رپورٹرز مائیک لہرا لہرا کر پوچھیں گے کہ سعدی یوسف کی زندگی کا خون کرنے کے بعد تم لوگ سر اٹھا کر کیسے جی رہے ہو؟''

''وہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے اس کو صرف اغوا کیا تھا' مگر اس کے خاندان کے افراد ہم نے قتل نہیں کیے' نہ ہی شیرو نے اسے گولیاں ماری تھیں۔'' وہ تلملا کر بولا تھا۔ ''اسے نیاز بیگ نے مارا تھا' میں صرف اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھ رہا تھا مگر وہ اتنا ناشکرا ہے کہ....'' شدتِ جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کے باعث وہ بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

''وہ ناشکرا ہے یا شکر گزار' وہ.... بول رہا ہے' اور دنیا اس کو سن رہی ہے۔ دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ دنیا اس کے انکشافات سے لطف انداز ہو رہی ہے۔ اس کا کیس اگلے بیس سال عدالت میں چلے گا مگر بیس سال کس نے دیکھے ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔ ''میری زندگی کے تمہارے ساتھ میری زندگی کے پہلے دو سال.... دو کریم ایئر زوہ لے لے گا۔ کم از کم دو سال تو میڈیا اور لوگ اس کو یاد رکھیں گے نا۔ میں دو سال تک اخبارات' ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ الزامات پڑھتی رہوں گی۔ وہ بولتا رہے گا اور لوگ اسے سنتے رہیں گے۔ میں جب گھر سے نکلوں گی' پبلک مجھے نفرت سے دیکھے گی۔ کیونکہ وہ تمہارا اور نوشیرواں کا میڈیا ٹرائل کر چکے ہیں۔ پبلک تمہیں مجرم قرار دے چکی ہے۔ ان کی باتیں مجھے گھر میں قید کر دیں گی۔ میں باہر تک نہیں نکل سکوں گی۔ سنا تم نے۔ جرم تم پہ ثابت ہوا ہے اور جیل مجھے ہو جائے گی۔''

''ہم کسی اور ملک چلے جائیں گے' تمہیں کچھ نہیں سننا پڑے گا۔'' وہ آگے کو ہوا جلدی سے کہنے لگا تھا۔

''لیکن اگر تم قاتل نہیں ہو' اگر تم نے کچھ غلط نہیں کیا تو ہم کیوں بھاگیں؟ اگر تم اور نوشیرواں بے قصور ہو تو اس کی زبان بند کیوں نہیں کرتے؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ گود میں رکھے اس کے ہاتھ ہولے سے کپکپا رہے تھے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ بظاہر جذباتی چہرہ بنائے' کہے جا رہی تھی۔ ''ان کو چپ ہونا ہوگا ہاشم' ورنہ تمہارے خاندان سے خود کو کبھی منسلک نہیں کروں گی' جب تک یہ گندگی تمہارے ساتھ ہے۔''

''میں کیا کروں؟ تم کیا چاہتی ہو' میں کیا کروں؟'' وہ آگے ہوتے ہوئے بولا۔ بار بار وہ سر جھٹکتا تھا' کبھی انگلیاں باہم پھنسا کر کھولتا تھا۔

''ان کو چپ کرواؤ' پبلک رائے کو بدلو۔'' اگلے الفاظ کہنے سے پہلے اس نے دل میں کہا تھا۔ (وہ تمہارے لئے... فارس غازی... یہ کبھی نہیں کرے گی۔) اپنا.... دفاع کرو۔ اپنی بے گناہی ثابت کرو۔ یوں کہ دنیا مان جائے' تم سچے تھے۔ تمہارا بھائی سچا تھا۔ میڈیا.... سوشل میڈیا.... نوجوان.... سب اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وہ مشہور ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ہیرو بن رہا ہے۔ کیونکہ اس کا میڈیا ٹرائل نہیں ہو رہا۔ تمہارا ہو رہا ہے۔ تم پہلے ہی ٹرائل کی زد میں ہو۔ تو اب.... اس کو گھسیٹو ٹرائل میں! ہاشم کاردار....'' اس نے میز پہ ہاتھ رکھ کر' آگے جھک کر' اس کی آنکھوں

میں دیکھ کر کہا۔ ''اس کو عدالت میں لے کر آؤ اور اس کے سارے الزامات کا توڑ کرو۔ اس کو وہاں تباہ کرو اس کو جھوٹا ثابت کرو مگر ایسا کرنے کے لیے تمہیں اس کے ساتھ ایک کورٹ روم میں کھڑا ہونا ہوگا۔ اور پھر' جب خود کو دنیا کی نظروں میں بری کروالو..... اور چونکہ تم بے گناہ ہو تو کرو اہی لوگے۔ تب مجھے پرپوز کرنا۔ میں اپنا فیصلہ تب تک کے لیے محفوظ رکھتی ہوں۔'' اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''If you want me, earn me!'' اپنا بیگ دبوچنے والے انداز میں اٹھایا اور اسے دل گرفتگی سے خود کو دیکھتے چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔ دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے حلیمہ کی میز پہ آئی' پانی کی بوتل اٹھائی' اور غٹا غٹ پانی پیتی گئی۔ حلیمہ بے اختیار کام سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ آبی نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان بوتل واپس رکھی اور آستین سے تر پیشانی پونچھتی آگے بڑھ گئی۔

اندر بیٹھے ہاشم کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ وہ ٹائی ڈھیلی کیے' سوچتی نظروں سے خالی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

(آج)

''یور آنر ہوا یوں کہ.....'' زمر کی آواز دور کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاشم نے ذہن سے تمام خیالات کو جھٹک کر نگاہیں اٹھائیں اور خود کو واپس کمرہ عدالت میں لے آیا۔ وہ جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی تھی' یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھو رہی تھی اور بھوری آنکھیں جج کے چہرے پہ جمی تھیں۔

سب خاموشی اور محویت سے اسے سن رہے تھے۔

''ہوا یوں کہ اکیس مئی کی شام جب ایک خوش باش' زندگی سے بھرپور سعدی یوسف گھر واپس آتا ہے' اور اپنے سارے خاندان کو ڈنر پہ مدعو کرتا ہے' اس وقت بھی اس کو خاندان کے اس ایک فرد کا بھی خیال ہوتا ہے جو وہاں نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر سارہ جو خود کو خاندانی جھمیلوں سے دور رکھتی ہیں' اس وقت وہ ان کو وہاں بلاتا ہے' ان کو اپنے خاندان اور زندگی کی طرف لوٹ کر آنے کے لئے منانے' ان کو ان کے اصل دشمنوں کی خبر دینے' کیونکہ اب اس کے پاس ثبوت بھی تھے۔ مگر وہاں..... اس تاریک گلی میں اس کا پیچھا کرنے' اس کو دھمکانے' اور زبانی تلخ کلامی کا بدلہ گولی سے لینے کے لئے ملزم نوشیرواں کا ردار آتا ہے' اور وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا جب تک وہ سعدی کے جسم میں تین گولیاں پیوست کر کے' اس کو مار پیٹ کر نیم مردہ حالت میں نہیں پہنچا چکا ہوتا۔ یور آنر..... پولیس اور گواہوں کو خرید کر میرے زخمی موکل کو ہسپتال سے غائب کروا دینے کے بعد اسے آٹھ ماہ اور ایک دن تک حبس بے جا میں رکھنے کا ذمہ دار نوشیرواں کا ردار ہی ہے۔ ہاشم کا ردار اس کا ایک معاون تھا' مگر اصل مجرم نوشیرواں ہے۔ یہ سب کچھ اس کے حکم پہ اور اس کی ایما پہ ہوا۔ امیر لڑکوں کا یہی مسئلہ ہے۔ اگر ان کے نام کے آگے کانجو' جتوئی' کا ردار یا تالپور لگتا ہے تو ان کو کسی دوسرے نوجوان سے حسد نکالنے کے لیے اس کو مارنے کا کا بہانہ مل جاتا ہے۔ میرے لیے سب کی ذات برابر اور قابل احترام ہے لیکن ہمارے یہ رئیس اپنی حرکتوں سے اپنی ذات کو خود بدنام کرتے ہیں یور آنر۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا جب ان کا احتساب کیا جائے؟''

ہاشم نے پیلے کاغذ پہ ایک سطر مزید کھینچی۔

''صرف شیرو کیوں؟ ہاشم کا ردار کیوں نہیں؟'' لکھ کر پرسوچ نظروں سے اس نے پہلی قطار میں پرے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اور پھر زمر کو۔ زمر نے اس کی نگاہوں کی حدت محسوس کر لی تھی یا کیا' اس نے پلٹ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نے رخ موڑ لیا مگر زمر ادھر ہی دیکھتی رہی۔ یونہی۔ بے مقصد۔ پھر یکا یک نظروں کے سامنے سے عدالتی کمرے کی کرسیاں اور وہ تماشائیوں جیسے لوگ غائب ہوتے گئے۔ ہوا نے اس کے ذہن کو پیچھے کھینچا' اور وہ اس رو میں بہتی چلی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

مور چال کے اندر وہی سوگوار ماحول تھا۔ زمر نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رک کر کچن میں دیکھا۔ وہاں حنین اور سعدی آمنے

سامنے کھڑے صبح والے واقعے کی بات کر رہے تھے۔

''ہمارے سب ثبوت ختم ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔ حنین ناخن مسلسل دانت سے کترتی اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ویڈیو تو ہے نا جو آپ نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ اس میں ہاشم نے اعترافِ جرم کیا تھا۔''

''ہم اسے عدالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' زمر نے چوکھٹ پہ رک کر کہا تو دونوں مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ ''قانونی پیچیدگیاں ایک طرف' اس ویڈیو میں ہاشم نے یہ بھی کہا ہے کہ کس طرح اس نے حنہ کے ایگزام کے دوران اس کی مدد کی۔ لاء کالج کے اس سینئر وکیل صاحب کی کال بھی ہے اس میں۔ ہم وہ ویڈیو جج کو نہیں دکھا سکتے۔''

حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ مگر سعدی تیزی سے بولا۔ ''اگر ہم اسے ایڈٹ کر دیں تو!''

''تو وہ اور ریجنل نہیں رہے گی' اور عدالت میں قابلِ قبول نہیں ہوگی۔''

''یہ اچھا حساب ہے!'' وہ بے زار سا ہو گیا۔ حنہ ابھی تک ناخن کتر رہی تھی۔ زمر چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی اور فون پہ ایک کال ملانے لگی۔

''احمر۔ فارس کہاں ہے؟'' چھوٹتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''آخری اطلاعات تک میں اس کی بیوی نہیں تھا۔ سو مجھے کیسے پتہ ہوگا؟'' زمر کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ بکھری۔ عرصے تک خود کو چھپا چھپا کر اور لوگوں کو اپنے دائرے سے باہر نکا کر رکھنے کی عادت ڈال لینے والا احمر آج مدتوں بعد پہلے جیسا لگا تھا۔

''خیر۔ کیا یہ سب سچ ہے؟''

''کیا؟'' وہ محتاط سا بولا۔

''جو میں سن رہی ہوں۔''

احمر نے گہری سانس لی۔ ''غازی کا میسج آیا تھا مجھے۔ کہہ رہا تھا میں اسے جانے دوں۔ مگر مجھے یاد ہے' آپ نے اس کے اپنے ریسٹورانٹ میں آنے کے بارے میں پولیس رپورٹ میں کہا تھا کہ جب غازی نے اسے جانے دیا تو بھی اس نے آپ پہ گولی چلانی چاہی۔ کیا ایسے شخص کو چھوڑ دینا چاہیے؟'' ایک دم سنجیدہ اور گہرا سا احمر..... کچھ اچھا نہیں لگا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''میں تو اس نک نیم کی بات کر رہی تھی جو آپ نے میرا رکھا ہوا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟''

احمر گویا کرسی سے اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔ ''کون سا نک نیم؟ میں دیکھیں بہت مہذب انسان ہوں۔ یہ آپ کا شوہر ہے انتہائی دو نمبر آدمی۔ اس کی عادت ہے اپنے کیے ہوئے کام دوسروں کے سر ڈالنے کی۔ مجھے اس معاملے سے دور رکھیں۔''

''اصل میں آپ دونوں ہی بہت مہذب ہیں۔ بس مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زیادہ مہذب کون ہے۔ اور زیادہ شریف کون۔ بہر حال' جلد سے جلد خود کو کاردارز کی قید سے نکال لیجئے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ آپ کی حقیقت جانیں' آپ کو یہاں سے بہت دور چلے جانا چاہیے۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کال پہ احمر سے کہی تھی۔

(آج)

جج صاحب کھنکھارے تو زمر نے چونک کر انہیں دیکھا' پھر سر جھٹک کر آگے آئی۔

''یور آنر' ہمارے پاس گواہ ہیں جو حلف لے کر گواہی دیں گے کہ کس طرح سعدی یوسف کو کولمبو کے ایک ہوٹل کے زیرِ زمین تہہ خانے میں رکھا گیا۔ اس کو وہاں مختلف طریقوں سے ٹارچر کیا گیا۔ ہم اس کو وہاں مقید دیکھنے والے ایک ایک شخص کو عدالت میں پیش کریں گے اور ان کے بیانات سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ یہ لڑکا سچ بول رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت کٹھن جنگ لڑ کر آیا ہے۔''